اُردو ترجمہ

پروفیسر ایس ایم لطیف اللہ

پیش لفظ

ڈاکٹر اسلم فرخی

کتاب عشق

مخ المعانی

نکات ع وش وق کی تشریح وتفسیر

تصنیف

خواجہ حسن علا سجزیؒ

صاحبِ "فوایدالفواد"

پیش لفظ

ڈاکٹر اسلم فرخی

ترجمہ وحواشی

پروفیسر ایس ایم لطیف اللہ

KITAB-E-ISHQ

(A treatise on mystic love)

By: *Hassan Ala Sijzi*

Persian text / Urdu translation

اشاعت: ستمبر ۲۰۰۰ء

اہتمام: آصف فرخی

کمپوزنگ: احمد گرافکس، کراچی

طباعت: فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، کراچی

تقسیم کار

۱۔ فضلی بک سپر مارکیٹ
اردو بازار، کراچی۔

۲۔ ویلکم بک پورٹ
اردو بازار، کراچی۔

۳۔ مکتبۂ دانیال، کراچی
عبداللہ ہارون روڈ، کراچی۔

۴۔ فکشن ہاؤس
مزنگ روڈ، لاہور۔

ناشر

SCHEHERZADE

بی۔۱۵۵، بلاک ۵، گلشن اقبال، کراچی۔

scheherzade@altavista.com

فہرست

کتابِ عشق

مخ المعانی

پیش لفظ

ممتاز شاعر اور نثر نگار امیر حسن سجزیؒ اپنے کمالات علم و ادب کی بنا پر فارسی ادب کی تاریخ میں نمایاں مقام کے حامل ہیں۔ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہیؒ کے فیض نظر سے انھیں روحانی دُنیا میں جو عظمت حاصل ہوئی وہ بڑی حد تک ان کے کمالات شعر و ادب پر حاوی ہوگئی اور ان کے مرتب کردہ حضرت سلطان جیؒ کے ملفوظات ہی ان کی شناخت اور حوالہ بن گئے، تاہم ان کی شاعری آج بھی اہل دل کے لیے سفرِ عشق کی بڑی نادر اور پُرکار تفسیر ہے۔ مولانا شبلی نعمانیؒ کے بقول ''صنف غزل پر اُن کا خاص احسان ہے اور جو سوز و گداز اور جذبہ و اثر ان کے کلام میں موجود ہے وہ ان کے کشتۂ محبت امیر خسروؒ میں بھی نہیں۔'' امیر حسنؒ کو نثر نگاری میں بھی کمال حاصل تھا، چنانچہ انھوں نے بلبن کے بڑے بیٹے خان شہید کی شہادت پر نثر میں جو مرثیہ لکھا ہے وہ درد و اثر میں ڈوبی ہوئی پُر تکلف نثر کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ مورخ یحییٰ بن احمد سرہندی نے اپنی ''تاریخ مبارک شاہی'' اور ملاّ عبدالقادر بدایونی نے ''منتخب التواریخ'' میں اس مرثیے کو تمام و کمال نقل کیا ہے کہ پُر تکلف نثری انداز کے باوجود اس کے مطالعے سے جنگ کا پورا نقشہ اور واقعات کی تفصیل سامنے آجاتی ہے۔

شاعر اور نثر نگار امیر حسن سجزیؒ حضرت سلطان جیؒ سے وطنی نسبت رکھتے تھے۔ بدایوں

ان کا وطن تھا۔ وہیں ۶۵۱ھ میں ولادت ہوئی۔ ہوش سنبھالنے اور تعلیم حاصل کرنے کے بعد دلّی آگئے۔ بلبن کے لشکر سے وابستہ رہے شہزادہ سلطان شہید کے ندیم رہے اور پانچ برس امیر خسروؒ کے ساتھ اس شہزادے کے ساتھ ملتان میں گزارے۔ یہ بساط اُکھڑی تو امیر لشکر شاہی سے وابستہ ہوئے دلی میں مقیم ہوگئے۔ سیر الاولیا کے مولف امیر خوردؒ کے بقول وہ نہایت بذلہ سنج، خوش گفتار اور مہذب انسان تھے۔

ذہنی اور فکری پختگی کے دورِ عروج یعنی ۵۶ برس کی عمر میں امیر حسن کی زندگی انتہائی خوش گوار انقلاب سے آشنا ہوئی۔ وہ ۳ شعبان ۷۰۷ھ کو حضرت سلطان جیؒ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ بیعت کی سعادت حاصل کی اور پھر ساری زندگی اسی بارگاہ کی غلامی کو اپنا شرف سمجھا۔ جب بھی حضرت سلطان جیؒ کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوتے جو کچھ حضرتؒ کی زبانِ دُرر بار سے سماعت کرتے گھر جا کر ممکنہ حد تک حضرتؒ کے الفاظ میں قلم بند کر لیتے۔ ایک دن اس روداد محبت کے کچھ ورق حضرتؒ کی خدمت میں بھی پیش کیے۔ حضرتؒ نے تحسین فرمائی امیر حسنؒ پابندی سے ملفوظات مرتب کرتے رہے اور انھیں ملفوظات کے مجموعے نے کہ نام اس کا اہل دل کے لیے ''فوائد الفواد'' قرار پایا، امیر حسنؒ کو دُنیائے عاشقی اور ادب میں وہ افتخار عطا کیا جو بے مثال ہے۔

امیر حسنؒ نے سلطان شہید کے نثری مرثیے میں اپنے عہد کا مرصع انداز اختیار کیا تھا۔ ''فوائد الفواد'' میں انھوں نے حضرت سلطان جیؒ کے انتہائی سادہ، لطیف اور دل موہ لینے والے اسلوب میں ملفوظات قلم بند کیے اور سادگیِ بیان کی روایت کو فروغ دیا۔ ملفوظات اپنی جگہ قلم بند ہوتے رہے مگر وہ سوزِ عشق جو امیر حسن کے رگ و پے میں جاری و ساری تھا، شعر کے علاوہ بھی اپنا اظہار ڈھونڈتا رہا اور آخر کار امیر حسنؒ نے ۶۱ برس کی عمر میں ایک چھوٹا سا رسالہ ''عین، شین اور قاف'' کی فکر انگیز مرصع اور معنی خیز صراحت میں مرتب کر دیا۔

۲۳ محرم ۷۱۲ھ کو امیر حسنؒ نے بیعت کے پانچ برس بعد یہ رسالہ جسے انھوں نے 'مخ المعانی' کا نام دیا تھا، بارگاہ محبوبی میں پیش کر دیا۔ حضرت سلطان جیؒ نے رسالے کی تحسین فرمائی۔ سرمبارک سے کلاہ اُتار کر امیر کے سر پر رکھی اور اس رسالے کے حوالے سے مشائخ کی مرتب کردہ کتابوں کا تذکرہ فرمایا۔ ارشاد عالی ہوا، ''مشائخ کی لکھی ہوئی کتابوں میں ''روح الارواح'' بڑی عمدہ کتاب ہے۔ قاضی حمید الدین ناگوری کو یہ کتاب از بر تھی اور

وہ وعظ میں اکثر اس کے مندرجات بیان کرتے تھے۔ قدما کی کتابوں میں عربی میں 'قوت القلوب' اور فارسی میں 'روح الارواح' عمدہ کتابیں ہیں'' امیر حسنؒ نے اس موقعے پر عین القضاۃ ہمدانی کے مکتوبات کا تذکرہ کیا اور کہا کہ ''یہ بھی عمدہ کتاب ہے لیکن پوری طرح فہم میں نہیں آتی۔'' اس پر ارشاد عالی ہوا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مکتوبات ایک خاص کیفیت میں قلم بند ہوئے ہیں۔ یہ کیفیت خاص تھی جو عین القضاۃ ہمدانی کو حاصل تھی۔ اس کے بعد حضرتِ سلطان جیؒ نے عین القضاۃؒ کا تفصیلی تذکرہ فرمایا۔

اس روداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ 'مخ المعانی' کی ترتیب کے زمانے میں امیر حسنؒ عین القضاۃ کے مکتوبات سے بہت متاثر تھے۔ 'مخ المعانی' میں عین القضاۃ کے اثرات کی نشان دہی پروفیسر لطیف اللہ نے اپنے مقدمے میں کی ہے۔ یہاں صرف یہ عرض کرنا مناسب ہے کہ ''مخ المعانی'' کا اسلوب نثر امیر حسن کی نثر نگاری کا تیسرا اسلوب ہے۔ پہلا وہ مرصع اسلوب جو ان کے نثری مرثیے میں ملتا ہے۔ دوسرا ''فوائد الفواد'' کا سادہ اور پرتاثیر اسلوب جو اب امیر حسنؒ کا بنیادی اسلوب ہے۔ تیسرا اسلوب 'مخ المعانی' کا ہے جو ''امیر حسنؒ'' کے تخلیقی جوہر، مرصع کاری، صنایع بدایع کے برمحل تلازموں، معنی آفرینی، نکتہ پردازی اور نثر کے نادر آہنگ کا حامل ہے۔ ادبی اور مابعد الطبیعیاتی اساس پر مبنی ہے۔ اگر امیر حسنؒ کے نامور معاصر اور برادرِ روحانی امیر خسروؒ کی بیان کردہ اسالیب کی قسموں کی رو سے اس کا مقام متعین کیا جائے تو یہ 'اہل حال' کا اسلوب ہے۔ امیر حسنؒ اپنے اس رسالے کی وجہ سے بھی صاحب اسلوب نثر نگار قرار پاتے ہیں۔

'مخ المعانی' کا تذکرہ صرف ''فوائد الفواد'' میں ہے۔ اس کے بارے میں ''فوائد'' کے علاوہ کوئی اور معاصر شہادت نہیں ملتی۔ دیوان حسن سجزیؒ کے مرتب مولوی مسعود علی محوی نے بھی اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے جس سے یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ شاید یہ رسالہ بھی بے شمار علمی اور ادبی خزانوں کی طرح معدوم ہو گیا ہے لیکن خوش قسمتی سے اس کا ایک نسخہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کتب خانے میں ذخیرہ سر شاہ سلیمان میں محفوظ تھا۔ یہ نسخہ معروف نظامؒ شناس پروفیسر خلیق احمد نظامی کی نظر سے گزرا اور موصوف نے اس کے بارے میں ایک تعارفی مضمون شائع کیا۔ یہ مضمون اس کتاب میں شامل ہے۔ نظامی صاحب کے بعد ڈاکٹر شکیل احمد صدیقی مرحوم نے اپنی تالیف 'امیر حسن سجزیؒ دہلوی، حیات اور ادبی خدمات' میں اس کا تفصیلی

تذکرہ کیا۔ مجھے صدیقی صاحب کی کتاب خاص تلاش وجستجو کے بعد کتابوں کی تلاش کے ایک بڑے ماہر، مرحوم کرم فرما ایم حبیب خان کے حسنِ توسط سے حاصل ہوئی اور میں نے اپنی کتاب ''دبستانِ نظام'' میں ''مخ المعانی'' کے سلسلے میں اس سے استفادہ بھی کیا۔ یہ خیال بھی ہوا کہ علی گڑھ سے اس کا عکس حاصل کر کے اشاعت کا بندوبست بھی کیا جائے لیکن دوسرے کاموں اور مصروفیت کی وجہ سے یہ کام ٹلتا رہا اور وقت گزرتا گیا۔

آخر کار پروفیسر لطیف اللہ صاحب نے، جنھیں نظام شناسی میں اختصاص حاصل ہے اور حضرت سلطان جیؒ سے دلی عقیدت رکھتے ہیں، اپنے ایک کرم فرما کے ذریعے سے عکس حاصل کرلیا اور اس کا اُردو ترجمہ شروع ہوگیا۔ لطیف اللہ صاحب ادب صوفیا کے تراجم میں ماہر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے ملفوظات شاہ میناؒ اور ''کلمات الصادقین'' کے بڑے اچھے ترجمے کیے ہیں۔ حضرت سلطان جیؒ کے سوانح پر مشتمل ایک کتاب ''مطلوب الطالبین'' مولفہ شیخ محمد بلاق کا ایک عمدہ قلمی نسخہ کراچی کے قومی عجائب خانے میں محفوظ ہے۔ یہ کتاب ۱۱۱۱ھ میں مرتب ہوئی تھی۔ قومی عجائب خانے کا نسخہ ۱۲۶۳ھ کا مکتوبہ ہے۔ مطلوب الطالبین، کا فارسی متن اب تک شائع نہیں ہوا۔ میری درخواست پر لطیف اللہ صاحب نے اُردو میں اس کا بڑا نفیس ترجمہ کیا اور اس ترجمے کی اشاعت بھی ہوئی۔ اس طرح لطیف اللہ صاحب کو نظام شناسیؒ میں مزید اختصاص حاصل ہوگیا۔ میری دانست میں 'مخ المعانی' کے ترجمے کے لیے ان سے بہتر مترجم دستیاب نہیں ہوسکتا تھا، تاہم ترجمے میں ایک دشواری بھی محسوس ہوئی جس کا تذکرہ ضروری ہے۔

'مطلوب الطالبین' سیدھے سادے انداز میں لکھے ہوئے سوانح ہیں جن کا ترجمہ آسان ہے لیکن 'مخ المعانی' مرصع، شعریت سے لبریز، مابعد الطبیعیاتی اسلوب کی حامل ہے۔ ترجمے میں اصل کی شعریت، مرصع کاری اور لطافت کو قائم رکھنا بڑا مشکل کام ہے لیکن لطیف اللہ صاحب نے یہ کام بڑے سلیقے اور خوبصورتی سے کیا ہے۔ میں اس سلیقے اور خوبصورتی کو حضرت سلطان جیؒ کا فیض قرار دیتا ہوں۔ ان کے ترجمے میں فیض سلطانی کی جھلک ہر جگہ نمایاں ہے۔ 'مخ المعانی' کی عمیق معنویت کے پیش نظر یہ ضروری سمجھا گیا کہ ترجمے کے ساتھ اصل فارسی متن بھی شائع کر دیا جائے، چنانچہ اصل متن اور ترجمہ دونوں آمنے سامنے پیش کیے جا رہے ہیں تا کہ اصل متن بھی محفوظ ہوجائے اور قارئین کو لطیف اللہ صاحب کی محنت کا

اندازہ بھی ہوجائے۔

'مخ المعانی' کے حوالے سے یہ مسئلہ بھی قابل غور ہے کہ یہ رسالہ گمنام کیوں رہا۔ معاصرین اور بعد والوں نے اس کا کوئی تذکرہ کیوں نہیں کیا۔ حد یہ ہے کہ امیر خوردؒ نے، ''سیر الاولیا'' میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ ضیا الدین برنیؒ نے تاریخ فیروز شاہی میں امیر کے دواوین کے ساتھ 'صحایف نثر' کا ذکر بھی کیا ہے لیکن کسی صحیفے کا نام نہیں لکھا۔ برنی امیر کے ہم عصر اور دوست تھے۔ ان کی تحریروں سے واقف تھے تاہم انھوں نے 'مخ المعانی' کو نظر انداز کیا۔ ایسے فکر انگیز رسالے سے بے اعتنائی کی وجہ کیا ہوسکتی ہے؟

بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ امیر حسن نے رسالہ 'مخ المعانی' مرتب کر کے بیعت کے بعد اُبھرنے والے اضطراب، خلش اور شورش سے استظہار باطنی حاصل کیا۔ اس کی تالیف ان کے لیے کیتھارسس کی حیثیت رکھتی تھی۔ حضرت سلطان جیؒ کا اس رسالے کے حوالے سے مکتوبات عین القضاۃ کے بارے میں یہ فرمانا بھی کہ'' وہ ایک خاص کیفیت میں لکھے گئے ہیں، اس امر کی جانب اشارہ کرتا ہے کہ رسالہ 'مخ المعانی' بھی ایک خاص کیفیت میں لکھا گیا تھا، اضطراب، خلش اور شورش کی کیفیت۔ رسالے کی تالیف نے پیر و مرشد کے سامنے ان کی ذہنی اور روحانی کیفیت کو پوری طرح نمایاں کر دیا اور مرشد کی نگاہ کرم نے انھیں شورش اور اضطراب کی کیفیت سے نکال کر طمانیت کی طرف مایل کر دیا۔ طمانیت کی منزل میں پہنچ کر امیر حسن اپنی سابقہ کیفیت اور 'مخ المعانی' دونوں سے بے نیاز ہوگئے اور انھوں نے اس رسالے کو بالکل فراموش کر دیا۔ اگر'' فوائد الفواد'' میں اس کا تذکرہ نہ ہوتا تو شاید کسی کو بھی اس رسالے کے وجود کا علم نہ ہوتا۔ یہ محض حسنِ اتفاق ہے کہ اس کا نسخہ محفوظ رہا اور نقل ہوتا رہا۔ نقل نے اصل کو زندہ رکھا اور امیر کا یہ اضطراب نامہ منظر عام پر آ گیا۔ اس خیال کو اس امر سے بھی تقویت ملتی ہے کہ آخر آخر میں امیر حسن بذاتِ خود شعر گوئی سے بے نیاز ہوگئے تھے۔

'مخ المعانی' کا کوئی اور نسخہ محفوظ نہ ہونے کی وجہ سے اس کے موجودہ نسخے کے استناد کا سوال بھی پیدا ہوتا ہے۔ کیا یہ مخطوطہ جو محفوظ رہا اور اس وقت ہمارے پیش نظر ہے، واقعی مخ المعانی ہی کا نسخہ ہے یا یہ کوئی اور رسالہ ہے۔ اس سوال کے حوالے سے خارجی اور داخلی شواہد کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ممتاز نظام شناس پروفیسر خلیق احمد نظامی اور امیر حسن کے سوانح نگار ڈاکٹر شکیل احمد صدیقی نے اسے امیر کی تصنیف قرار دینے میں کوئی تامل

نہیں کیا۔ ڈاکٹر صدیقی نے اپنے تحقیقی مقالے میں اس کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔

داخلی طور پر یہ احساس ہوتا ہے کہ موجودہ مخطوطہ رسالہ 'مخ المعانی' ہی کا مخطوطہ ہے کیونکہ اس کا نثری آہنگ امیر حسن کے ابتدائی مرصع آہنگ کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ مدح شیخ ؒ میں وہی دعائیہ الفاظ شامل ہیں جو فوائد الفواد میں بھی ملتے ہیں۔ مدح شیخ ؒ اگرچہ مختصر ہے (رسالے کا اختصار اس کا متقاضی بھی تھا) تاہم اس میں ایک خاص طرح کا جوش پایا جاتا ہے جسے ہم نے امیرؒ کی شخصیت کے اضطراب اور شورش سے تعبیر کیا ہے۔ اس رسالے میں جو اشعار درج ہیں ان میں سے بیشتر امیر ہی کے ہیں۔ معنویت کے اعتبار سے بھی پورے رسالے میں حضرت سلطان جی ؒ کا فیض جاری و ساری نظر آتا ہے لہٰذا اسے امیر حسن کی تصنیف تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہیں کرنا چاہیے۔

امیر حسن سجزیؒ کے اس رسالے کا مغربی ادب کے تصورِ عشق سے موازنہ دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔ عشق کا استعارہ مغرب کے معروف شاعر دانتے کے یہاں مرکزی اہمیت کا حامل ہے۔ دانتے کا شمار مغرب کے اہم ترین شعرا میں ہوتا ہے اس نے ''حیات نو'' Vita Nuova میں کیفیتِ عشق کا تجزیہ کیا ہے۔ یہ کتاب اپنے مواد کے لحاظ سے امیر حسن سجزیؒ کی ''مخ المعانی' سے مماثلت رکھتی ہے۔ دانتے، مشرق کی روایات سے کسی حد تک واقف تھا۔ ممتاز ہسپانوی عالم آسین ASIN، نے اپنی شہرہ آفاق تالیف ''اسلام اینڈ ڈیوائن کامیڈی'' میں دانتے کی عشقیہ شاعری اور اس کی تشریح کا ابنِ عربیؒ کی عشقیہ شاعری اور اس کی تشریح سے موازنہ بھی کیا ہے۔

فرانسیسی نقاد ریمی ڈی روژیموں (Rougemont) نے مغرب میں روایات عشق کا تفصیلی محاکمہ قلم بند کیا ہے۔ ایک اور صاحب اسلوب فرانسیسی ناول نگار استاں دال کی کتاب Love کو بھی اس سلسلے میں اہمیت حاصل ہے۔ ''استاں دال نے محبت کے حوالے سے Crystalisation کا نظریہ پیش کیا ہے۔ یہ نظریہ تصورِ اسلوب کے لحاظ سے بھی اہم ہے۔ مشہور انگریزی نقاد مڈلٹن مرے نے اسلوب پر اپنی کتاب'' The Problems of Style'' میں اس نظریے کا حوالہ دیا ہے اور اس کی توضیح کی ہے۔

ایک اور ممتاز ماہر نفسیات ایرخ فروم نے محبت کے نظریے کی تشریح کرتے ہوئے عشق کے وصول اور دخول کے دو بنیادی فرائض کی تقطیب میں مولانا رومؒ کے اشعار سے بھی

استنباط کیا ہے۔ فروم کے بقول ''محبت کی تمام صورتوں میں چند عناصر مشترک ہوتے ہیں۔''
یہ عناصر توجہ، ذمہ داری، احترام اور علم ہیں۔'' (مضمون ''محبت کا نظریہ'' اردو ترجمہ شاہد حمید)
یہ محض چند اشارے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ علمی وفور کے اس دور میں اگر اہل علم اور اہل نظر حضرات مشرق و مغرب کے نظریات عشق کا تقابلی جائزہ لیں تو ان جائزوں سے بے شمار نئی راہیں نکلیں گی اور مشرق و مغرب کی روحانی قربت کے امکانات روشن ہوں گے۔

الحمدللہ کہ دبستان نظامؒ کی دانش آموز، علم افروز اور روح پرور فضا میں مرتب ہونے والے اس مختصر لیکن مقتدر، سرشاری اور کیف و مستی سے مملو صحیفۂ عشق کی اشاعت کی سعادت صدیوں بعد حاصل ہوئی ہے۔ اس عاجز کی دعا ہے کہ قلم ہمیشہ بارگاہ محبوبی کا مدح خواں رہے۔ قلم کو متحرک اور رواں رکھنے والا جذبہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لطف و عطا اور مرشدی و استاذی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب قبلہ کی دُعاؤں سے نئے نئے علمی خزانے منظر عام پر پیش کرتا رہے۔ آمین۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ آصف سلمہٗ نے اس کتاب کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے، اللہ تعالیٰ انہیں خوش رکھے۔

راقم الحروف کو اس تحریر کا اختتامیہ قلم بند کرتے ہوئے اس حسن اتفاق کا بھی احساس ہوا کہ آج محرم الحرام کی ۲۳ تاریخ اور سن ۱۴۲۱ھ ہے۔ ۷۰۹ برس پہلے آج ہی کی تاریخ کو 'مخ المعانی' حضرت سلطان جیؒ کی خدمت بابرکت میں پیش کیا گیا تھا۔ آج پھر یہ رسالہ از سر نو بارگاہ محبوبی میں پیش ہے اور اس کے مصنف خواجہ حسن سجزیؒ کے بقول۔

مہِ من چہ باشد اگر گہے سوئے دوستاں گزرے کنی
بمرادِ ما نفسے زنی بہ نیازِ ما نظرے کنی

بندہ بارگاہ محبوبی
اسلم فرخی

۲۳ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ۔ ۲۹ اپریل ۲۰۰۰ء
نظامیہ۔ بی ۵/۱۵۵
گلشن اقبال۔ کراچی

باسمہ تعالیٰ و بعونہ

عرض مترجم

استاذ مکرم و محترم ڈاکٹر اسلم فرخی کے ارشاد کی تعمیل میں امیر حسن علا سجزی رحمتہ اللہ علیہ کے رسالے ''مخ المعانی'' کا متن اور ترجمہ اہل دل حضرات کی خدمت میں پیش ہے۔ یہ رسالہ اگرچہ انتہائی مختصر ہے لیکن اس پر بقیمت بہتر کی مثل صادق آتی ہے۔ مصنف رحمتہ اللہ علیہ نے اس تصنیف میں عشق کے حروف، ع۔ش۔ق کی علاحدہ علاحدہ شرح اور مجموعی طور پر عشق کی صفات اور خصوصیات بیان کی ہیں۔

حسن علا سجزیؒ کے مختصر حالاتِ زندگی یہ ہیں کہ وہ ۶۵۱ھ میں، مدینتہ الاولیا بداؤں میں پیدا ہوئے۔ ان کی پرورش اور تعلیم دہلی میں ہوئی۔ دہلی میں انھوں نے کن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی اور کون کونسی کتابیں ختم کیں اس کے بارے میں مستند شواہد دستیاب نہیں ہیں لیکن ان کے تصنیفی آثار سے یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے مروجہ علوم سے یقیناً بہرہ ور تھے۔

غیاث الدین بلبن ۶۶۴ھ میں تخت نشیں ہوا تو امیر حسنؒ کی عمر تیرہ سال تھی۔ قیاس ہے کہ یہ زمانہ انؒ کے طلبِ علم کا ہوگا۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد خاندانی روایت کے مطابق وہ سلطان غیاث الدین بلبن کے لشکر میں ملازم ہوگئے۔ ان کے والد علا الدین سیستانیؒ بھی سلاطین دہلی کی ملازمت میں تھے۔ ۶۷۸ھ میں جب غیاث الدین بلبن نے بغرا خان کی بغاوت فرو کرنے کے لیے لکھنوتی پر چڑھائی کی تو امیر حسنؒ اس کے لشکر میں تھے۔ لکھنوتی کی فتح کے بعد بلبن کا بڑا بیٹا سلطان محمد (خانِ شہید) جب فتح کی مبارکباد دینے کے لیے ملتان سے دہلی آیا تو وہ امیر حسنؒ اور امیر خسروؒ کو اپنے ساتھ ملتان لے گیا

جہاں دونوں حضرات پانچ سال تک مقیم رہے۔
بلبن کی وفات (۶۸۵ھ) کے بعد دارالحکومت دہلی میں خاصہ انتشار رہا تو امیر حسنؒ گوشہ نشین رہے، پھر علاؤ الدین خلجی کے عہد میں دوبارہ شامل لشکر ہوئے۔
۷۰۷ھ کو وہ حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ، سے بیعت ہوئے اور ان کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ حضرت قدس سرہ، کی وفات (۷۲۵ھ) کے بعد جب سلطان محمد تغلق نے دہلی کے علما اور مشائخ کو دہلی چھوڑنے پر مجبور کر دیا تو امیر حسنؒ بھی دولت آباد منتقل ہوگئے جہاں سے ۲۹ صفر ۷۳۷ھ کو سفر آخرت اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ کی دائمی رحمتیں اور برکتیں ان کے ساتھ رہیں۔
حسن علا سجزیؒ ۳/شعبان ۷۰۷ھ اتوار کے دن حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین محبوبِ الٰہی قدس سرہ، کے سلسلۂ ارادت میں منسلک ہوے (۱)۔ پانچ سال بعد ۲۳/محرم ۷۱۲ھ بدھ کے دن حضرت قدس سرہ، کی خدمت میں مخ المعانی کو ملاحظے کے لیے پیش کیا۔ سلطان المشائخؒ نے ملاحظہ فرما کر اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ اس روز حسن علاؒ نے تجدیدِ بیعت کی۔ سلطان المشائخؒ نے اپنے سرِ مبارک کی کلاہ ان کے سر پر رکھی اور یہ شعر زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا (۲):

در عشقِ تو کارِ خویش ہر روز
از سر گیرم زہے سروکار

(تیرے عشق میں ہر روز میں اپنا کام نئے سرے سے شروع کرتا ہوں۔ کیا خوب کاروبار ہے)

مولانا جلال الدین رومیؒ مثنوی کے دفتر اوّل میں فرماتے ہیں :

گرچہ تفسیرِ زباں روشن گرست
لیک عشقِ بے زباں روشن ترست

(اگرچہ زبان کی تشریح مطالب کو روشن کرتی ہے لیکن عشق تو زبان کے بغیر خوب روشن ہے)

عقل در شرحش چو خر در گل بخفت
شرحِ عشق و عاشقی ہم عشق گفت

(عشق کی شرح کرتے وقت عقل گدھے کی مانند کیچڑ میں دھنس گئی اور عشق و عاشقی کی شرح بھی عشق ہی نے کی)

اس معنی میں ''مخ المعانی'' عشق کی شرح بھی ہے اور عاشق کے دل کی شوریدگی اور اضطراب کا ترجمان بھی۔

یہ مختصر رسالہ ادبِ صوفیہ میں عشق کے موضوع پر ایک بیش بہا اضافہ ہے۔ اس تحریر کی ہر سطر اور ہر لفظ سے حضرت سلطان المشائخ قدس سرہٗ کا روحانی فیض عیاں ہے۔

امتدادِ زمانہ اور خود ہماری غفلت اور بے حسی کے باعث گزشتہ چند صدیوں میں ہمارے اسلاف کی نادر تخلیقات اور بیش بہا تصنیفات جس طرح ضایع ہوئی ہیں ہم ابھی تک اس کے زیاں کو پوری طرح محسوس نہیں کر سکے بلکہ اب جو فضا ہے اس نے احساسِ زیاں ہی کو مفقود اور معدوم کر دیا ہے۔

خوش قسمتی سے اس نادر رسالے کا ایک مخطوطہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سر شاہ محمد سلیمان کے ذخیرے میں محفوظ ہے۔ محترم ڈاکٹر اسلم فرخی کے توسط سے جب یہ بات میرے علم میں آئی تو میں نے پروفیسر حکیم سید ظل الرحمان کی خدمت میں اس رسالے کی فوٹو کاپی فراہم کرنے کی درخواست کی۔ حکیم سید ظل الرحمان صاحب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ملحق طبیہ کالج میں ادویہ کے پروفیسر ہیں اور موصوف کے خاندان سے اس عاجز کے خاندان کے دیرینہ تعلقات ہیں، انھوں نے ازراہِ عنایت و محبت فوٹو کاپی حاصل کر کے ارسال فرما دی۔ میں ان کی محبتوں اور شفقتوں کا بے حد ممنون ہوں۔

یہ قلمی نسخہ دہلی کے کسی کاتب عبدالغنی احمد کا نقل کردہ ہے (پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اپنے مضمون میں کاتب کا نام عبدالغنی ضیا الدین تحریر کیا ہے۔ ہمیں جس مخطوطے کا عکس حاصل ہوا ہے اس میں ضیا الدین کے الفاظ پر خط کھینچا ہوا ہے) اور تاریخِ کتابت ۲۱ شعبان ۱۲۹۷ ہجری ہے۔ رسالہ ''مخ المعانی'' پہلی بار فارسی متن اور اس کے ترجمے کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے، اس سے قبل ڈاکٹر شکیل احمد صدیقی نے اس کے چند اقتباسات اپنے مقالے ''امیر حسن سجزی دہلوی، حیات اور ادبی خدمات'' میں نقل کیے تھے وہیں سے محترم ڈاکٹر اسلم فرخی نے حوالے کے ساتھ اپنی تصنیف ''دبستان نظام'' میں تحریر کیے (۳)۔

''مخ المعانی'' میں جگہ جگہ، مکتوباتِ عین القضاۃ ہمدانیؒ کے مضامین و مطالب کا گہرا اثر

محسوس ہوتا ہے اور قیاس کہتا ہے کہ جن دنوں حسن سجزیؒ یہ رسالہ تصنیف کر رہے تھے یا انھوں نے اسے لکھنے کا ارادہ کیا تھا وہ مکتوبات عین القضاۃ کے گہرے اثر میں تھے۔ اس قیاس کی گنجائش بدھ ۲۳ محرم ۷۱۲ھ کی مجلس کی تفصیلات سے پیدا ہوتی ہے۔ حسن سجزیؒ بیان کرتے ہیں:

''اس کتاب کے بارے میں جو بندہ لے گیا تھا، آپ نے فرمایا وہ کتابیں جو مشائخ نے لکھی ہیں، ان میں ''روح الارواح'' بڑی اچھی اور راحت بخش کتاب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ''روح الارواح'' قاضی حمید الدین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ کو حفظ تھی۔ وہ اکثر منبر سے وعظ کے دوران اس کتاب کی بہت سی باتیں بتاتے تھے۔ ان کتابوں میں سے جو قدما نے لکھی ہیں، ''قوت القلوب'' عربی میں اور ''روح الارواح'' فارسی میں بڑی اچھی کتابیں ہیں۔ بندے نے عرض کیا کہ مکتوبات عین القضاۃ ہمدانی بھی بڑی اچھی کتاب ہے لیکن پوری طرح گرفت میں نہیں آتی۔ فرمایا یہ ٹھیک ہے، انھوں نے اسے ایک خاص حال میں لکھا ہے'' (۴)

اس اقتباس سے حسن سجزیؒ پر مکتوباتِ عین القضاۃؒ کے گہرے اثرات کی نشان دہی ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت یوسفؑ سے زلیخا کی محبت، لیلیٰ مجنوں کی داستان، محمود غزنوی کے اشارات جن اعتبارات سے ''مخ المعانی'' میں آئے ہیں، مکتوبات میں اسی نوعیت کے اعتبارات قائم کیے گئے ہیں (۵)۔ متعلقہ اقتباسات اور ان کے علاوہ چند دیگر اقتباسات اس مقام پر پیش کیے جائیں گے جہاں حسن سجزیؒ کے مخصوص طرزِ نگارش پر گفتگو ہوگی۔ فی الحال دو مختصر اقتباس پیش کیے جاتے ہیں جن سے مخ المعانی پر مکتوبات کے اثر کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

''ہیچ دانی کہ ارادت چہ بود؟ خدائے را در آئینۂ جانِ پیر دیدن بود لابل جرم آفتاب را در آئینہ تواں دید، زیرا کہ بے آئینہ آفتاب نتواں دید کہ دیدہ بسوزد۔ بواسطۂ آئینہ مطالعتِ جمال آفتاب علی الدوام تواں کرد و بے واسطہ نقشے نہ تواں دید...... پیر آئینہ مرید است کہ در او خدا بیند، مرید آئینۂ پیر است کہ در او خود را بیند۔ ہرگز ابوبکر صدیقؓ نہ گفت کہ ''لا الہ الا اللہ'' الاّ با ''محمد رسول اللہ'' زیرا کہ می دید کہ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (۶) چیست۔'' (۷)

(تمھیں کچھ معلوم ہے کہ ارادت کیا ہے؟ خدا کو پیر کے آئینۂ جاں میں دیکھنا۔ بے شک آفتاب آئینے میں دیکھا جاسکتا ہے اس لیے کہ بغیر آئینے کے آفتاب نہیں دیکھ سکتے کہ بینائی جل جاتی ہے۔ آئینے کے واسطے سے ہمیشہ جمالِ آفتاب کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے اور بغیر واسطے کے نقش تک نظر نہیں آسکتا...... پیر مرید کا آئینہ ہے جس میں مرید خدا کو دیکھتا ہے۔ مرید پیر کا آئینہ ہے جس میں پیر خود کو دیکھتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کبھی ''لا الہ الا اللہ'' ''محمد رسول اللہ'' ملائے بغیر نہیں پڑھا کیونکہ جانتے تھے کہ ''جس نے رسول کی اطاعت کی تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی،'' کیا ہے۔)

''بداں کہ مریدے آں بود کہ خودرا در پیری بازد۔ اوّل دین درباز و پس خودرا در بازد۔ دین باختن دانی چہ بود؟ آں بود کہ اگر پیر خلافِ دین اورا کارے فرماید، آں را باشد، زیرا کہ اگر در موافقتِ پیر راہِ مخالفت دین خود نہ رود پس او ہنوز مریدِ دین خود است نہ مریدِ پیر۔ ایں متعلمی بود کہ دین خودمی آموزد از غیرے۔ اگر راہِ پیر رود مرید بود پس۔ اگر راہِ مرادِ خودمی رود او خود پرست بود۔ مریدے پیر پرست بود۔'' (۸)

(''جان لیں کہ مرید وہ ہوتا ہے جو پیر پر خود کو لٹا دیتا ہے۔ پہلے اپنا دین لٹاتا ہے پھر اپنے آپ کو لٹا دیتا ہے۔ جانتے ہو دین لٹانا کیا ہے۔ دین لٹانا یہ ہے کہ اگر پیر اسے خلافِ دین کسی کام کو کہے اسے بجالائے۔ اگر وہ پیر کے حکم کی بجا آوری میں اپنے دین کے مخالف راستے پر نہیں چلتا تو ابھی وہ اپنے دین کا مرید ہے نہ کہ پیر کا مرید۔ یہ ایک طالب علم ہے جو اپنا دین دوسرے سے سیکھتا ہے۔ اگر پیر کے راستے پر چلے تو بے شک مرید ہے۔ چناں چہ کوئی شخص اگر اپنی راہِ مراد پر چلتا ہے تو خود پرست ہے۔ مرید کو تو پیر پرست ہونا چاہیے۔'')

''مخ المعانی'' میں مرید اور پیر کا تعلق صفحہ ۴ الف پر معرض بیان میں آیا ہے اس تقابل کا مقصد ادبِ صوفیہ میں عشق کی شرح کے پھیلاؤ اور اثر کی یافت ہے۔ ''مخ المعانی'' میں پیر اور مرید کے تعلق کا بیان بہ انداز دگر ہے اور مکتوب ۳۲ جس میں عین القضاۃ نے پیر اور مرید کے درجات کی نشان دہی کی ہے، دوسرے سیاق وسباق میں ہے۔ چراغ سے چراغ

روشن ہوتا ہے۔ ہر چراغ کسی نہ کسی چراغ کا روشن کردہ ہوتا ہے لیکن ہر چراغ کی روشنی اپنی ہی ہوتی ہے اور دوسروں سے مختلف بھی۔ ''مخ المعانی'' پر مکتوباتِ عین القضاۃؒ کے اثر کا ذکر اسی معنی میں ہے۔ تصوّف میں اسی اثر اور تاثیر کو فیض و فیضان کہا جاتا ہے۔

ادبِ صوفیہ میں عشق کا موضوع اور اس کی شرح کو مستقل حیثیت حاصل ہے۔ یہی نہیں بلکہ صوفیہ کے طریق اور مشرب کی بنیاد ہی عشق ہے۔ اُن کے سیر سلوک کا آغاز اس حدیثِ قدسی کی روشنی میں ہوتا ہے:

کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق (۹)

اس اعتبار سے تخلیق کائنات کا سبب ہی عشق ہے اور جب یوں ہے تو ہر سالک پر لازم ہے کہ وہ حقیقتِ عشق کا عرفان حاصل کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے شرف سے مشرف ہوسکے۔ اسی اعتبار سے ادبِ صوفیہ میں عشق کے موضوع پر لکھا گیا ہے اور اس کی تشریح کی گئی ہے، بقول مولانا رومیؒ:

شرحِ عشق و عاشقی ہم عشق گفت

(عشق و عاشقی کی شرح بھی عشق ہی نے کی)

آئندہ صفحات میں اسی ''شرحِ عشق و عاشقی'' کو کسی قدر تفصیل سے پیش کیا جاتا ہے۔

خطیب بغدادی نے حسین بن منصور حلاجؒ م ۳۰۹ھ کا ایک ملفوظ نقل کیا ہے:

''حکایت کرتے ہیں کہ حضرت شبلیؒ ان کے (ابن منصورؒ کے) پاس قید خانے میں گئے۔ ان کو اس حال میں بیٹھا ہوا پایا کہ زمین پر لکیریں کھینچ رہے تھے۔ یہ ان کے سامنے بیٹھ گئے، یہاں تک کہ اس وقت ابنِ منصورؒ نے اپنی نگاہ آسمان کی طرح اٹھائی اور عرض کیا کہ الٰہی ہر حق کی ایک حقیقت ہے، اور ہر مخلوق کے لیے ایک طریقہ ہے اور ہر عہد کی ایک مضبوطی ہے۔ پھر کہا اے شبلی، جس شخص کو اس کے مولا نے اس کے نفس (کے قبضے) سے لے لیا ہو پھر اس کو اپنی بساطِ اُنس تک پہنچا دیا ہو اس کو تم کیا سمجھتے ہو؟ شبلیؒ نے کہا یہ کیسے ہوتا ہے۔ کہا، اللہ تعالیٰ اس کو نفس (کے قبضے) سے لے لیتا ہے پھر اس کو قلب کے حوالے کر دیتا ہے (جو محل اُنس ہے) پس وہ شخص اپنے نفس سے لے لیا جاتا ہے اور اپنے قلب کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ پس اس کو نفس سے لے لینا معذب فرمانا اور قلب کے

حوالے کر دینا مقرب بنانا ہے۔ خوشحالی ہے (اور مبارکباد) ایسے نفس کے لیے جو مولا کا مطیع ہو، اور حقیقت کے آفتاب اس کے قلوب میں چمک رہے ہوں، اس کے بعد چند اشعار پڑھے"۔ (۱۰)

حسین بن منصور حلاجؒ کے اس ملفوظ سے مستنبط ہوتا ہے کہ عشق نفسانی تہیجات کو مٹا کر عاشق کو قربِ الٰہی کی منزل میں پہنچاتا ہے لیکن یہ سارا عمل عطائے رب ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے یہ نعمت عطا فرماتا ہے۔ حلاجؒ کی نظر میں اللہ تعالیٰ کے لیے خالص ہونا عشق ہے۔

حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ، کے بقول "مکتوباتِ عین القضاۃ ہمدانیؒ" ان کی ایک خاص کیفیت کے عکاس ہیں۔ راقم السطور نے کوشش کی ہے کہ مکتوبات سے عشق کے باب میں نسبتاً قابل فہم اقتباسات کو نقل کیا جائے تا کہ کنت کنزاً مخفیاً کی اصل سے رابطہ قائم رہے۔ یہاں دو اقتباس پیش کیے جاتے ہیں:

"جوانمردا! بداں کہ در نہادِ آدمی، حبِ خدا و رسول تعبیہ است و پنہان است، چوں حب النساء مثلاً در کودکِ دہ سالہ، چوں پس از دہ سال عاقل شود، آں حب النساء از درونِ او سر برکند، وقوتِ خود طلب کردن گیرد۔ اگر شنیدہ بود کہ قوتش چیست خود کارش راست بود۔ واگر در ہمہ عمر خود ہرگز ازایں معنی حدیثے نہ شنیدہ بود، بواجب آں عشق در درونِ او اضطرابے پدید آورد، واو نداند کہ او را چہ می بود۔ اگر غالب تر گردد، بے خواب وقرارش کند، واز ہمہ کارش بازدارد، وچوں مغفلے گردد۔" (۱۱)

(اے جواں مرد! جان لے کہ آدمی کی سرشت میں خدا اور رسول کی محبت آراستہ ہے اور مخفی ہے، جیسے عورتوں کی محبت، بطورِ مثال طفلِ دہ سالہ میں۔ جب وہ دس سال کے بعد صاحب عقل ہو جاتا ہے تو اس کے باطن سے عورتوں کی محبت سر اُٹھاتی ہے اور اپنی غذا طلب کرنا شروع کر دیتی ہے۔ اگر اس نے سنا ہوتا ہے کہ اس کی غذا کیا ہے تو اس کا معاملہ ٹھیک رہتا ہے۔ اگر اس نے اپنی تمام زندگی میں کبھی اس حقیقت کے بارے میں کوئی بات نہیں سنی تو لازماً اس عشق کا داعیہ اس کے باطن میں اضطراب پیدا کرتا رہے گا اور وہ اس بات سے لاعلم رہے گا کہ اسے کیا ہوتا ہے۔ اگر یہ داعیہ اس پر غالب آ جائے تو اسے بے خواب و قرار رکھے گا

اور وہ اپنے تمام کاموں سے باز رہے گا اور نادان آدمی کی مانند ہو جائے گا۔)

''اے دوست عزیز! اوصلک اللہ الٰی حقائقِ ھذہ المعنی۔ عشقِ او یعنی ''یحبھم'' جوہر است و جان آدمی عرض است، از ''یحبھم'' پیدا گشت۔ ''ویحبونہ'' بہ ''یحبھم'' ایستادہ است۔ وجودش از وبود و قوامش بدواست۔ و دریں عجائب ہر مخنثے راہ نہ برد۔ بایزید باید تا گوید ہفتاد سال می پنداشتم کہ من اورا دوست می دارم چوں بہ حقیقتِ کار بینا شدا وست کہ مرا دوست می دارد۔ چاکر چو بویزید بود از حقیقتِ کار چنیں خبر دہد نہ ایں خامانِ روزگارِ ما۔''(۱۲)

(اے دوست عزیز! اللہ تعالیٰ تمھیں ان معانی کی حقیقتوں سے قریب کرے۔ اس کا عشق یعنی یحبھم (اللہ ان سے محبت کرے گا) جوہر ہے اور آدمی کی روح اس کا عرض ہے جو یحبھم سے وجود میں آیا ہے اور یحبونہ (وہ اللہ سے محبت کریں گے) یحبھم کے سہارے کھڑا ہوا ہے۔ اس کا وجود اس سے ہے اور اس (کی ہستی) کا شیرازہ اس سے قائم ہے۔ ان حیرت زائیوں میں نامرد کا گزر نہیں ہے۔ بایزید جیسا (ولی) ہو جو یہ کہہ سکے کہ میں ستر سال اس گمان میں رہا کہ میں اللہ کو دوست رکھتا ہوں۔ جب معاملے کی حقیقت سے واقف ہوا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی مجھے دوست رکھتا ہے۔ بایزید جیسا بندہ ہونا چاہیے جو حقیقت کار سے (ہمیں) آگاہ کرے نہ ایسے خام لوگ جو ہمارے زمانے میں ہیں۔)

اِن اقتباسات میں عین القضاۃ ہمدانیؒ اس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں کہ اللہ اور رسول کی محبت سرشتِ آدم میں رکھ دی گئی ہے۔ اس کی روح کا مطالبہ بھی یہی محبت ہے۔ یہ عشق یعنی آفرینش کا ایک پہلو ہے اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ جب اہل محبت حقیقت آشنا ہوتے ہیں تو انھیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ان کی محبت کا محرک بھی وہ محبت ہے جو اللہ تعالیٰ کو ان سے ہے۔ بندے میں جنبشِ عشق اُدھر ہی سے ہوتی ہے۔ یہ بیان مذکورہ حدیثِ قدسی کی عارفانہ یا عاشقانہ تشریح کہی جا سکتی ہے۔

حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ نے ''بحرِ عشق'' کی ابتدا میں اسی حدیثِ قدسی سے استناد کیا ہے(۱۳)۔ اس کے علاوہ انھوں نے یحبھم و یحبونہ کے معانی صوفیہ

کے پیرائے میں بیان کیے ہیں:

"جب اس نے چاہا کہ صحرائے ظہور میں بساطِ محبت بچھائے اور گلشن جہاں میں عاشق و معشوق کی صفت کے ساتھ اپنے گل رخسار سے عشق بازی میں میں اور تو کے ساز [سے] ترانۂ محبت شروع کرے، جس سے عاشق پروانہ وار شمع جمالِ معشوق پر اپنے آپ کو فدا کر دے لیکن ارواحِ محبان میں طاقتِ فراق نہ تھی......

تو حق سبحانہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا کہ ہمارا لطف تم کو اکیلا نہ چھوڑے گا......

لیکن یاد رہے دوری سے متفرق نہ ہو جانا۔ خاطر جمع رکھنا کیونکہ سلسلۂ محبت محکم ہے۔ یحبھم و یحبونہ رفیقِ کرم ہر حال میں تم سے جدا نہ ہوگا۔" (۱۴)

قاضی حمید الدین ناگوریؒ کی یہ تشریح صوفیہ ماسبق کے فرمودات سے قطعی طور پر ہم آہنگ ہے۔ اس ہم آہنگی کا سبب واضح ہے۔ جس طرح انبیا علیہم السلام ایک دوسرے کی تصدیق کرتے رہے ہیں اسی طرح اولیائے الٰہی بھی ایک دوسرے کے مصدق ہیں کیونکہ وہ سب سرورِ انبیا علیہ تحیۃ و التسلیم کے مشکوٰۃ نبوت سے، جن کی ذاتِ گرامی میں تمام انبیا علیہم السلام کے کمالات و اوصاف مجتمع تھے، مستنیر ہوتے ہیں، اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ ان کی سیرت و گفتگو میں ہم آہنگی نہ پائی جائے اور وہ ایک دوسرے کے احوال و مقامات کے تصدیق کنندہ نہ ہوں۔

بحرِ عشق میں قاضی حمید الدین ناگوریؒ نے اہل عشق کی اقسام بھی بیان کی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک عاشقِ تکلیم ہے جو بلبل صفت ہوتا ہے۔ اگرچہ ہزار زبانوں سے وصفِ محبوب بیان کرتا ہے لیکن معشوق کے اوصاف میں خود کو فنا نہیں کرتا۔ ایک عاشقِ تفرید ہے، یہ پروانے کی مانند ہے۔ کسی حال میں دوئی پسند نہیں کرتا۔ سوائے جلنے اور اپنے آپ سے گزر جانے اور معشوق میں فنا ہونے کے کوئی خواہش نہیں رکھتا۔ عاشق تفرید عاشق تکلیم سے رتبے میں برتر ہے۔ ایک عاشقِ تسلیم ہے، جو معشوق کے اشاروں پر چلتا اور اپنے آپ سے اپنے اختیار سے اپنے آپ سے معذور ہے یہ صرف نورِ محبوب کے ظہور کے لیے ہے۔ اس عاشق کو واصلِ کامل موجود کہتے ہیں اور یہ سرورِ عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق ہے۔ آپؐ سرورِ عاشقاں ہیں کہ شہودِ ذات اور ظہورِ صفات آپؐ کی ہی وجہ سے آپؐ ہی سے قائم اور موجود ہے اور آپؐ کی اسی روشنی سے اٹھارہ ہزار عالم کی شمع روشن و منور و پرنور ہے۔ (۱۵)

فخر الدین عراقی رحمتہ اللہ علیہ نے اسرارِ عشق پر ''لمعات'' کے نام سے ایک رسالہ احمد غزالیؒ م ۵۱۷ھ کے رسالے ''سوانح'' کی طرز پر تصنیف کیا ہے۔ اٹھائیس لمعات میں عشق، عاشق اور معشوق کے بیان میں مرموز عبارتیں ہیں۔ یہاں تین اقتباس پیش کیے جاتے ہیں:

''سلطانِ عشق خواست کہ خیمہ بصحرا زند، درِ خزاین بکشود، گنج بر عالم پاشید

چتر برداشت، برکشید علم
تابہم برزند وجود و عدم
بے قراریِ عشق شور انگیز
شرّ و شورے فگند درعالم

ورنہ عالم بابود و نابود خود آرمیدہ بود و درخلوت خانۂ شہود آسودہ، آں جا کہ'' کان اللہ ولم یکن معہ شیٔ۔ رباعی:

آں دم کہ زہر دو کون آثار نبود
بر لوحِ وجود نقشِ اغیار نبود
معشوقہ و عشق و ما بہم می بودیم
درگوشۂ خلوتے کہ دیار نبود

''ناگاہ عشق بے قرار از بہرِ اظہارِ کمال، پردہ از روے کار بکشود و از روے معشوقی خود را بعین عاشقِ جلوہ فرمود'' (۱۶)۔

(سلطانِ عشق نے چاہا کہ صحرا میں خیمہ لگائے، خزانوں کا دروازہ کھول دیا، عالم پر خزانہ بکھیر دیا

(عزّت کا) چتر اٹھایا پرچم بلند کیا
تاکہ وجود و عدم پر یلغار کرے
شور انگیز عشق کی بے قراری نے
عالم میں شور و شر برپا کر دیا

اس وقت تک عالم اپنے بود و نابود کے ساتھ آرام میں تھا اور شہود کے خلوت

خانے میں آسودہ تھا۔ وہاں اللہ تھا اور اس کے ساتھ کوئی شے نہ تھی

اس وقت جبکہ دونوں عالم کے آثار نہ تھے

اور لوحِ وجود پر غیر کا نقش نہ تھا

عشق اور معشوق اور ہم ایک ساتھ تھے

(اس) گوشۂ خلوت میں کسی کا گزر نہ تھا

یکا یک عشقِ بے قرار نے اپنے اظہارِ کمال کے لیے کام کے چہرے سے پردہ ہٹا دیا اور از روئے معشوقی عاشق کے عین پر جلوہ فرمایا۔)

"عاشق باید کہ بے غرض با معشوق صحبت دارد۔ خواست از میاں بردار دو کار بہ مرادِ اوگزار دو ترکِ طلب کند کہ طلبِ او سدّ راہِ اوست، زیرا کہ ہر مطلوب کہ پس از طلب یافت شود، آں بقدرِ حوصلۂ طالب باشد۔ فی الجملہ ترکِ طلب و مرادِ خود گیرد و کار بہ مرادِ او گزارد و ہر چہ در عالم واقع شود مرادِ خود انگارد تا آسودہ و شادماں بماند۔" (۱۷)

(عاشق کو ایسا ہونا چاہیے کہ کسی غرض کے بغیر معشوق سے صحبت رکھے امید یا خواہش درمیان سے اٹھا لے اور اپنا معاملہ معشوق کی مرضی پر چھوڑ دے۔ اپنی طلب سے دست کش ہو جائے کیونکہ عاشق کی طلب اس کے راستے کی دیوار ہے، اس لیے کہ طلب سے دست بردار ہونے کے بعد اسے ہر مطلوب حاصل ہو جاتا ہے اور طالب کے حوصلے کے مطابق ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ طلب و مراد سے دست برداری اختیار کرے اور معاملے کو معشوق کی مرضی پر چھوڑ دے اور عالم میں جو کچھ ظہور میں آئے اسے اپنی مراد خیال کرے تا کہ مطمئن اور شاد کام رہے۔)

"عشق آتشیست کہ چوں در دل افتد، ہر چہ در دل یابد، ہمہ را بسوزاند، تا حدے کہ صورتِ معشوق راز دل محو کند، مگر مجنوں دریں سوزش بود گفتند، لیلیٰ آمد۔ گفت من خود لیلیم۔ سر بہ گریبان فراغت فرو برد۔ لیلیٰ گفت، سر بردار کہ محبوب و مطلوب تو ام...... مجنون گفت، مصرع:

الیک عینی فان حبک قد شغلنی عنک''(۱۸)

(عشق ایک آگ ہے کہ جب دل میں لگتی ہے تو جو کچھ دل میں ہوتا ہے، پھونک دیتی ہے حتیٰ کہ معشوق کی صورت کو دل سے مٹا دیتی ہے۔ غالباً مجنوں اس سوزش میں تھا۔ جب لوگوں نے اسے بتایا کہ لیلیٰ آئی ہے تو اس نے کہا (کون لیلیٰ) میں خود ہی لیلیٰ ہوں۔ پھر اپنی فراغت کے گریبان میں سر ڈال لیا۔ لیلیٰ نے کہا (اے مجنوں) سر اٹھا کہ تیرا مقصود و مطلوب میں ہوں...... مجنوں نے کہا، مصرع:

(میری آنکھ تیری طرف لگی ہے۔ پس بے شک تیری محبت تجھ سے میرا مشغول ہونا ہے۔)

امیر خورد کرمانی رحمتہ اللہ علیہ م ۷۷۰ھ نے اپنی تصنیف ''سیر الاولیا'' کے باب ہشتم میں عشق و محبت سے متعلق سلطان المشائخ قدس سرہ، کے متعدد ملفوظ قلمبند کیے ہیں۔ پہلا ملفوظ عشق کے نظریاتی مسئلے کی تحقیق ہے یعنی اس کی تعریف متعین کی گئی ہے۔ اس کے بعد جو ملفوظات نقل کیے گئے ہیں، وہ راہِ عشق میں عمل سے متعلق ہیں جو حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ، کی سیرتِ مبارکہ کا نمایاں وصف ہے۔ ''فوائد الفواد'' میں بھی اکثر ملفوظات کا نقطۂ ماسکہ یہی عملی عشق ہے جو سلطان المشائخ قدس سرہ، کا اختصاص ہے۔

عشق کے نظری پہلو کے بارے میں حضرتؒ نے فرمایا:

''عشق محبت کا آخری درجہ ہے اور محبت عشق کا پہلا درجہ ہے۔ عشق، عشقہ سے لیا گیا ہے۔ یہ عشقہ ایک گھاس ہے جو باغوں میں اُگتی ہے اور (بیل کی طرح) درخت پر پھیل جاتی ہے۔ پہلے اپنی جڑ زمین میں مضبوط کرتی ہے پھر شاخیں نکالتی ہے اور درخت سے لپٹتی ہے۔ پھر اس طرح پھیلتی ہے کہ تمام درخت کو گھیر لیتی ہے اور اس طرح درخت کو شکنجے میں لے لیتی ہے کہ درخت کی رگوں میں نمی باقی نہیں رہتی۔ ہر قسم کی بالیدگی جو آب و ہوا کے ذریعے سے اس درخت کو پہنچتی ہے، یہ اسے تاراج کر دیتی ہے یہاں تک درخت خشک ہو جاتا ہے۔ نیز فرمایا، جب عشق آدمی کو لپٹ جاتا ہے، اس وقت تک اس سے جدا نہیں ہوتا جب تک

وہ انسانیت (جبلی تہیجات) کو باطل نہیں کر دیتا، جیسے کہ عشقہ جس درخت کو لپٹتی ہے اس درخت کو خشک کر دیتی ہے۔ عشق بھی آدمی کے ساتھ وہی (عمل) کرتا ہے جو عشقہ درخت کے ساتھ کرتی ہے۔" (۱۹)

عشقہ کی بیل کے حوالے سے عشق کی یہ مکمل تعریف ہے۔ صوفیہ کے نقطۂ نظر سے حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ، نے عشق کی تعریف اور اس کے اثرات سے متعلق جو کچھ فرمایا ہے، قولِ فیصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس ملفوظِ گرامی کے بعد حضرت قدس سرہ، کے ایک مکتوب کی نقل پیش کی جاتی ہے جو آپ نے مولانا فخر الدین مروزیؒ م ۷۳۶ھ کو تحریر فرمایا تھا:

"اصحابِ طریقت اور اربابِ حقیقت کا (اس پر) اتفاق ہے کہ انسان کے پیدا کرنے کا اہم اور عظیم ترین مقصد، محبتِ رب العالمین ہے۔ یہ دو قسموں پر مشتمل ہے، محبتِ ذات اور محبتِ صفات۔

محبتِ ذاتی، وہبی بخشش ہے اور محبتِ صفات کسبی ہے۔ جو محبت وہبی بخشش ہے، اس کا بندے کے عمل اور کسب سے تعلق نہیں۔ جو محبت کسبی ہے، اس محبت کو حاصل کرنے کا طریقہ دل کو غیر اللہ سے خالی کر کے دائمی ذکر ہے۔ اس کے لیے فراغت شرط ہے اور فراغت سے روکنے والی چار چیزیں ہیں جو مانع شرط بھی ہیں اور مانع مشروط بھی (یعنی یہ چار چیزیں فراغت اور ذکر سے روکنے والی ہیں) خلق، دنیا، نفس اور شیطان۔

خلق کو دور کرنے کا طریقہ گوشہ نشینی ہے اور دُنیا کو دور کرنے کا طریقہ قناعت ہے اور نفس و شیطان کو دفع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر لمحہ اللہ تعالیٰ سے التجا کی جائے۔" (۲۰)

یہ عشق کا عملی پہلو اور نسخۂ کیمیا ہے۔ اسی سلسلے میں چند اور ملفوظ نقل کیے جاتے ہیں:

"سلطان المشائخؒ نے فرمایا، عبادت میں مشغول ہونا اس وقت خوب ہوتا ہے جب اس میں عشق کی چاشنی ہو۔" (۲۱)

"محبت اس کا نام ہے کہ تو ہر شے کو جو تجھے پسند ہے، اس پر نثار کرے جس کو تو

دوست رکھتا ہے اور یہ عین باری تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہے کہ لن تنا لوا البر حتی تنفقوا مما تحبون" (۲۲)۔

"فرماتے تھے کہ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز جب آفتاب طلوع ہوتا تھا دُعا فرماتے تھے کہ الٰہی اگر محمدؐ کو خدائے محمدؐ کے ساتھ نئی قربت اور نئی طلب حاصل نہ ہو، اس آفتاب کے نکلنے میں برکت نہ ہو۔ پس درگاہِ بے نیازی کے محبوں اور عاشقوں پر واجب ہے کہ ہر روز نیا درد اور نیا سوز حاصل کریں تاکہ ہر روز ترقی اور زیادتی نصیب ہو۔ اس سے بدنی طاقت مراد نہیں ہے بلکہ نیا عشق، نیا درد اور نیا ذوق مراد ہے۔" (۲۳)

"حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر دو بندوں میں خاص اللہ تعالیٰ کے لیے محبت ہو، اُن میں ایک مشرق میں رہتا ہو اور دوسرا مغرب میں، تو کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آمنا وصدقنا دونوں کو یکجا کرے گا تاکہ دونوں ایک دوسرے کی ملاقات سے مشرف ہوں اور فرمائے گا کہ تم دونوں کی یہ ملاقات تمہاری اس محبت کی بنا پر ہے جو تم محض میرے لیے ایک دوسرے سے رکھتے تھے۔" (۲۴)

"پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا اور رسول کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرنے والے ایک ستون پر ہوں گے جو سرخ یاقوت کا ہوگا۔ اس ستون کے سرے پر ستّر ہزار کھڑکیاں ہوں گی۔ جب یہ کھڑکیاں اہل بہشت کو نظر آئیں گی تو ان کی خوبی اہل بہشت پر اس طرح روشن ہوجائے گی جس طرح اہل دنیا پر آفتاب کی روشنی ہوتی ہے اہل بہشت کہیں گے کہ ہمیں وہاں لے چلو تاکہ ہم انھیں دیکھیں جو محض اللہ کے لیے ایک دوسرے کو دوست رکھتے تھے۔" (۲۵)

ادبِ صوفیہ میں عشق کی شرح سے متعلق سلسلۂ کلام حدیثِ قدسی سے شروع ہوا تھا اور اب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر ختم کیا جاتا ہے۔ اس ضمن میں ادب صوفیہ کا نثری سرمایہ حدِ شمار سے باہر ہے۔ راقم السطور جو خود علم و عمل سے بے بہرہ ہے اس کے احاطے سے معذور ہے۔ یہ چند صفحات جو معرض تحریر میں آئے، راقم السطور حسن علا سجزی

رحمتہ اللہ علیہ کی ہمنوائی میں عرض کرتا ہے کہ یہ مرشدی و مولائی مولانا ڈاکٹر غلام محمد قدس سرہ، کا فیضِ روحانی اور حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ، کی نسبتِ عالیہ و جاریہ کا فیضان ہے جو ہر عہد اور ہر عصر کے نظامیوں میں جاری و ساری رہا ہے۔

چند کلمات ''مخ المعانی'' کے اسلوب اور حسن علا سجزیؒ کی طرز نگارش سے متعلق عرض کیے جاتے ہیں لیکن اس سے قبل صوفیہ کے نثری اسالیبِ بیان سے متعلق کچھ عرض کرنا ضروری ہے۔

فارسی زبان میں صوفیہ کی نثری تصانیف میں تین قسم کے اسالیب نظر آتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اہل علم اور اہل نظر کچھ اضافہ فرمائیں لیکن مجموعی اعتبار سے وہ اضافے اِن اسالیب کے فروع ہی ہوں گے۔

پہلا رمزیہ اسلوب، جس میں صوفیہ نے رموزِ عشق یا معرفت و حقیقت کے اسرار کو رمز و ایما کی عبارت میں تشبیہوں اور استعاروں کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ یہ تشبیہات و استعارات ان کے ادب میں خاص اصطلاح کا درجہ حاصل کر چکی ہیں۔

دوسرا اعتباری اسلوب ہے۔ صوفیہ اپنی باطنی کیفیات و واردات کو برملا بلا خوفِ لومت و لایم بیان کرنے پر مجبور ہیں۔ ایک مخفی جوش ہے جو ان سے یارائے ضبط چھین لیتا ہے اور وہ بے اختیار اپنا باطن وا کر دیتے ہیں۔ اس اظہارِ بیان میں وہ کبھی کبھی قرآنِ حکیم کی کسی آیت یا اس میں بیان کیے ہوئے کسی واقعے سے کنایہ کرتے ہیں اور اپنی واردات کو بزبانِ اعتبار بیان کر کے اپنے باطنی اضطراب کو کسی حد تک رفع کرتے ہیں۔

تیسرا سادہ اسلوب ہے۔ صوفیہ کے نثری ادب میں زیادہ تر یہی سادہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ ملفوظات، تذکرے، سوانح اور وعظ و نصیحت کی باتین اسی سادہ اسلوب میں ہیں، اس لیے کہ اِن تصنیفات کا مقصود عام مسلمانوں کے نفس کا تزکیہ اور قلب کا تصفیہ کرنا ہے۔

سطور ذیل میں ان تینوں اسالیب کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) رمزیہ اسلوب

''شہبازِ محبت از شجر عزت در پرید، بعرش رسید، عظمت دید در گزشت۔ بکرسی رسید، وسعت دید در گزشت۔ بہ بہشت رسید نعمت دید در گزشت۔ بخاک رسید محنت دید بروے نشست۔ کروبیاں از عالمِ خود ندا کردند و گفتند، اے وصفِ

پادشاہی، ترا با خاک یک درجہ آشنائی، خاک را از تو بچہ نسبتِ روشنائی۔ گفت او محنتِ من دارد من محبت، نقطہ ٔ کہ او برز بردارد، من در زیر دارم و عشق در محلے کہ اثبات یابد، مراد ور از یروز برکند۔'' (لوائح، از عین القضاۃ ہمدانیؒ تہران ۱۳۳۸ ش۔ ص ۳)

(شہبازِ محبت نے عزّت کے درخت سے پرواز کی، عرش پر پہنچا اس کی عظمت کا مشاہدہ کیا، چھوڑ کر آگے پرواز کی۔ کرسی پر پہنچا اس کی وسعت دیکھی، چھوڑ کر آگے پرواز کی۔ بہشت میں آیا اس کی نعمت کا مشاہدہ کیا، اسے چھوڑ کر زمین پر آیا یہاں محنت دیکھی اور زمین پر ٹھکانا بنالیا۔ فرشتوں نے اپنے عالم سے ندا کی، اے بادشاہی وصف تجھے خاک سے کیا آشنائی اور خاک کو تجھ سے کیا نسبتِ دوستی ہے۔ جواب دیا وہ میری محنت رکھتی ہے۔ میں محبت رکھتا ہوں۔ ایک ہی نقطہ ہے جو خاک اوپر رکھتی ہے اور میں نیچے رکھتا ہوں۔ عشق جہاں بھی ٹھکانا کرتا ہے اسے زیروزبر کر دیتا ہے۔)

''معشوق ہر لحظہ از دریچہ ٔ ہر صفتے با عاشق روئے دیگر نماید، عینِ عاشق از پرتو روے او ہر لحظہ روشنائی دیگر یابد و ہر نفس بینایِ دیگر کسب کند، زیرا ہر چند جمال بیش عرضہ کند عشق غالب تر آید و عشق ہر چند مستولی تر گردد، جمال خوب تر نماید و بیگانگی معشوق از عاشق بیش تر شود تا عاشق از جفاے معشوق در پناہِ عشق می گریزد و از دوگانگی در یگانگی می آویزد۔ گفتہ اند ظہورِ انوار بقدر استعداد ست و فیض بقدر قابلیت۔'' (لمعات، فخر الدین عراقی، لمعہ ۱۷ ص ۳۴۷)

(معشوق ہر لحظہ ہر صفت کے دریچے سے عاشق کو نیا جلوہ دکھاتا ہے۔ عاشق کا عین اس کے پرتوِ رُخ سے ہر لحظہ نئی تجلی پاتا ہے اور ہر دم دوسری بینائی حاصل کرتا ہے کیونکہ معشوق جس قدر زیادہ جمال دکھاتا ہے اسی قدر عشق کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے اور معشوق کی عاشق سے بیگانگی بڑھتی جاتی ہے حتیٰ کہ عاشق محبوب کی جفا سے عشق کی پناہ میں آنے کے لیے اس کی طرف دوڑتا ہے اور دوئی سے نکل کر مقام یکتائی میں قیام کرتا ہے۔ بزرگ کہتے ہیں کہ انوار کا ظہور طالب کی استعداد

اور انوار کا فیض طالب کی قابلیت کے بقدر ہوتا ہے۔"

(۲) اعتباری اسلوب:

(الف) "اے دوست عزیز! ہاں وہاں! تا درسخن عاشقاں از راہِ بازی نظارہ نہ کنی "لقد کان فی قصصهم عبرة لاولی الالباب" چہ گوئی یعقوب را گویند "وابیضت عیناه من الحزن فهو کظیم" آں از غم فراقِ یوسف بود یا کارے دیگر را؟ اگر غم سودائے یوسف بودے پس چوں پیغمبراں را ایں غم خوردن روا باشد، ہمہ جہاں در اشتیاقِ دوستاں معذور باشند۔ "یا اسفیٰ علیٰ یوسف" آں در دیدۂ اربابِ عشق جہانے دیگر است۔ آں نہ سودائے یوسف بود۔ یوسف نشانۂ کارے بود۔" (نامہ ہائے عین القضاۃ ہمدانی۔ جلد دوم ص ۳۵۹)

(ب) "اگر زلیخا از ایں بتر سیدے کہ "امرات العزیز تر اودفتاها عن نفسه" ہرگز نام یوسف نہ بردے۔ لابل ایں طرفہ تر است کہ در عشق بجائے رسید کہ بہ زبانِ خویش باز نانِ مصر گفت کہ "ولقد راودته عن نفسه فاستعصم ولئن لم یفعل ما آمره لیسجنن ولیکونا من الصاغرین" لابل باعزیز گفت: کہ الآن حصحص الحق انا راودته عن نفسه" زہے عشق زلیخا! از ایں جا ہیچ درجہ دیگر نماندہ است۔ اللهم ارزقنا هذه الدرجة۔ عشق از ایں چنیں بلعجبی بسیار یاد دارد۔ اوچوں زلیخا کشتگا نے بسیار دارد۔" (نامہ ہائے عین القضاۃ ہمدانی جلد دوم صص ۱۳۱۔۱۳۲)

(الف) (اے دوست عزیز! خبردار خبردار! جب تک تم عاشقوں کے کلام میں فریب کی راہ سے نظارہ نہیں کرتے (تمھیں کچھ حاصل نہ ہوگا) "ان کے قصے میں سمجھ دار لوگوں کے لیے بڑی عبرت ہے" تم کیا کہتے ہو، یعقوبؑ کے بارے میں کہتے ہیں کہ "(روتے روتے) ان کی آنکھیں سفید پڑ گئیں اور وہ جی ہی جی میں گھٹا کرتے تھے" یہ یوسفؑ کے فراق کا غم تھا یا کچھ اور بات تھی۔ اگر یوسفؑ کی محبت کا غم ہوتا تو پیغمبروں کو یہ غم کھانا روا ہوتا ہے، ساری دُنیا دوستوں کے اشتیاق میں معذور ہوتی ہے (لیکن) "ہائے یوسف افسوس" یہ اہل عشق کی نظر میں دوسرا عالم ہے۔ یہ یوسفؑ کی محبت نہ تھی۔ یوسفؑ تو اس معاملے کا نشانہ تھے۔)

(ب) (اگر زلیخا اس طعنے سے ڈرتی کہ ''عزیز کی بی بی اپنے غلام کو اس سے اپنا مطلب حاصل کرنے کے لیے پھسلاتی ہے'' تو ہرگز یوسفؑ کا نام نہ لیتی۔ نہیں بلکہ یہ طرفہ ماجرا ہے کہ عشق میں وہ ایسے مقام پر پہنچ گئی تھی کہ اپنی زبان سے خواتین مصر سے کہا کہ '' واقعی میں نے اس سے اپنا مطلب حاصل کرنے کی خواہش کی تھی مگر یہ پاک صاف رہا اور اگر آئندہ کو میرا کہنا نہ کرے گا تو بے شک جیل خانے بھیجا جائے گا اور بے عزّت بھی ہوگا۔'' یہی نہیں بلکہ خود عزیز سے کہا، ''اب تو حق بات ظاہر ہوگئی ہے میں نے اس سے اپنے مطلب کی خواہش کی تھی۔ زہے عشقِ زلیخا! اس سے بڑا کوئی درجہ نہیں ہے۔ اے اللہ! ہمیں ایسا درجہ روزی فرما۔ عشق کو اس طرح کی بہت سی عجیب باتیں یاد ہیں۔ اس کے زلیخا جیسے بہت سے کشتہ ہیں۔'')

(۳) سادہ اسلوب

''اتفاقِ اصحابِ طریقت و اربابِ حقیقت است کہ اہم مطلوب و اعظم مقصود از خلقتِ بشر محبتِ رب العالمین است۔ و آں بر دو نوع است، محبتِ ذات و محبتِ صفات۔ محبتِ ذات از مواہب است و محبتِ صفات از مکاسب۔ ہرچہ از مواہب است، کسب و عمل بندہ رابداں تعلقے نیست و ہرچہ از مکاسب است ہست۔ و طریقِ اکتسابِ محبت، دوام ذکر است مع تخلیہ القلب عما سواہ وایں را فراغ شرط است و فراغ را چہار چیز است مانع و ہرچہ مانع شرط است مانع مشروط است خلق و دُنیا و نفس و شیطان۔ طریقِ دفعِ خلق عزلت و انزوا ست و طریق دفعِ دنیا قناعت است و طریقِ دفعِ نفس و شیطان التجا کردن بحق ساعۃ فساعۃ۔'' (مکتوب حضرت سلطان المشائخ'' بنام مولانا فخر الدین مروزی۔ سیر الاولیا (فارسی) ص ۴۶۴۔۴۶۵)

(اصحابِ طریقت اور اربابِ حقیقت کا (اس پر) اتفاق ہے کہ انسان کے پیدا کرنے کا اہم اور عظیم ترین مقصد، محبتِ رب العالمین ہے یہ دو قسموں پر مشتمل ہے، محبتِ ذات اور محبتِ صفات۔

محبتِ ذات وہبی بخشش ہے اور محبتِ صفات کسبی ہے۔ جو محبت وہبی بخشش ہے، اس کا بندے کے عمل اور کسب سے تعلق نہیں۔ جو محبت کسبی ہے، اس محبت کو حاصل کرنے کا طریقہ دل کو غیر اللہ سے خالی کر کے دائمی ذکر ہے۔ اس کے لیے فراغت شرط ہے اور فراغت سے روکنے والی چار چیزیں ہیں جو مانع شرط بھی ہیں اور مانعِ مشروط بھی (یعنی یہ چار چیزیں فراغت اور ذکر سے روکنے والی ہیں) خلق، دُنیا، نفس اور شیطان۔
خلق کو دور کرنے کا طریقہ گوشہ نشینی ہے اور دنیا کو دور کرنے کا طریقہ قناعت ہے اور نفس وشیطان کو دفع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر لمحہ اللہ تعالیٰ سے التجا کی جائے۔)

''محبت آثار! رنج ومحنت از لوازم محبت است۔ اختیار فقر را درد وغم لابد است۔
بیت:

غرض از عشق تو ام چاشنی درد و غم است
ورنہ زیر فلک اسباب تنعم چہ کم است

دوست آوارگی می خواہد تا از غیرِ او بلکلیۃ انقطاعے حاصل گردد۔ ایں جا آرام در بے آرامی است وساز در سوز است قرار در بے قراری و راحت در جراحت۔ دریں مقام فراغت طلبیدن خود را در محنت انداختن است تمام خود را بہ محبوب باید سپرد ہر چہ از و بیاید، بہ اشدِ رضا باید قبول کرد و ابرو نہ باید پیچید۔ طریق زندگانی دریں وضع است۔'' (مکتوباتِ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ مرتبہ مولانا نور احمد امرتسری لاہور ۱۹۶۴ء دفتر اوّل حصہ سوم۔ مکتوب ۱۴۰ اصص ۲۳۔۲۴)
(محبت آثار! رنج اور تکلیف محبت کے لیے لازمی ہیں۔ فقر اختیار کرنا ہے تو درد و غم ناگزیر ہے۔

تیرے عشق سے میری مراد درد و غم کا ذائقہ حاصل کرنا ہے۔
ورنہ آسمان کے نیچے اسباب عیش کی کمی نہیں ہے

دوست آوارگی چاہتا ہے، تا کہ اس کے غیر سے بالکل انقطاع حاصل ہو جائے

اس مقام میں، بے آرامی میں آرام، سوز میں لذّت، بے چینی میں چین اور زخم کھانے میں راحت ہے۔ یہاں فراغت طلب کرنا خود کو تکلیف میں ڈالنا ہے۔ خود کو کلی طور پر محبوب کے حوالے کر دینا چاہیے۔ وہ جو کچھ عنایت کرے کامل رضا کے ساتھ قبول کرنا چاہیے اور ابرو پر بل نہ آنا چاہیے۔ زندگی بسر کرنے کی روش یہی ہے۔)

مندرجہ بالا سطور میں اسالیبِ بیان کے تعلق سے جو اقتباسات پیش کیے گئے ان سے واضح ہوتا ہے کہ عین القضاۃؒ کی نثر کا اسلوب رمزیہ بھی ہے اور اعتباری بھی۔ لہجے کا آہنگ بلند اور اِدّعائی ہے۔ فخر الدین عراقیؒ کی نثر میں رمز و اعتبار ہے، البتہ لہجہ ادعائی نہیں بلکہ جذب میں ڈوبا ہوا ہے۔ حسن علا سجزیؒ نے ''مخ المعانی'' میں تینوں اسالیب برتے ہیں اور روایت کی پاسداری کے ساتھ تازہ کاری کے پھول بھی کھلائے ہیں۔ ع، ش اور ق کی الگ الگ اور مجموعی تشریح ان کی تخلیقی اپج اور پرواز تخیل کا اثبات ہے۔

اگر فوائد الفواد حسن علا سجزیؒ کی نثر نگاری کا شاہکار ہے تو ''مخ المعانی'' ان کی نثر کی زیبائی اور جمال کا خلاصہ ہے۔ مخ المعانی میں ابتدا سے آخر تک اسلوب کا تنوّع موجود ہے۔ ان کی نثر میں رمزیت فکر کے ساتھ، اعتبار یقین کے ساتھ اور سادگی پُرکاری کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ لیکن لہجے میں شروع سے آخر تک یکسانی ہے اور وہ ہے وارفتگی اور مسکینی جو حسن علا سجزیؒ کو ارادتِ شیخ سے بطور نعمت ارزانی ہوئی تھی۔ ان کی طرزِ نگارش کا امتیاز اسلوب کا تنوّع لہجے کی نرمی اور گداز ہے، اس اعتبار سے وہ ادب صوفیہ میں صنفِ نثر کے منفرد ادیب و نثر نگار ہیں۔

احقر راقم السطور کو مخ المعانی کے ترجمے اور پیش نظر دیباچے میں استاذ محترم ڈاکٹر اسلم فرخی کی رہنمائی اور مشورے ہمیشہ کی طرح حاصل رہے۔ کرم بالائے کرم یہ کہ ڈاکٹر صاحب نے ترجمے پر نظرثانی کی زحمت بھی گوارا فرمائی۔ احقر ڈاکٹر صاحب کی تمام عنایتوں کا شکر گزار ہے۔ مولانا سید اظہار اللہ شاہ گول مارکیٹ ناظم آباد نمبر ۲ کی جامع مسجد سے ملحق مدرسے میں استاذ ہیں ان کا شکر یہ بھی واجب ہے کہ موصوف نے عربی تراکیب اور عبارات کو سمجھنے میں احقر کی مدد فرمائی۔ اقتباسات اور ترجمے میں جہاں جہاں آیات قرآنی آئی ہیں احقر نے ان کا ترجمہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے ترجمہ ٔ قرآن

شریف سے نقل کیا ہے۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم. وصلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه محمد و علىٰ آله و اصحابه اجمعين

۱۲/ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ/۱۹/مارچ ۲۰۰۰ء
۱۹/۱۔ڈی۔۳۔ناظم آباد کراچی

نیاز مند
لطیف اللہ

حواشی وحوالہ جات

(۱) فوائد الفواد (فارسی) حسن علا سجزیؒ مرتبہ محمد لطیف ملک طبع اوّل لاہور ۱۹۶۶ء ص ۱۔۲

(۲) ایضاً ص ۱۴۱

(۳) دبستان نظامؒ ڈاکٹر اسلم فرخی ادارہ یادگارِ شیفتہ کراچی ۱۹۹۷ء صص ۳۳۱۔۳۳۲

(۴) فوائد الفواد اردو ترجمہ از پروفیسر محمد سرور جامعی طبع دوم لاہور، ۱۹۸۰ء ص ۱۸۷

(۵) نامہ ہائے عین القضاۃ ہمدانی مرتبہ عفیف عسیران جلد اوّل، طبع دوم تہران ۱۳۶۲ ش، ص ۳۶۶ اور ۳۶۸

ایضاً جلد دوم ص ۱۳۰۔۱۳۱۔۲۱۔۳۳۹

(۶) پارہ ۵۔ سورۂ نساء، آیت ۸۰

(۷) نامہ ہائے عین القضاۃ ہمدانی جلد اوّل ص ۲۶۹ ترجمہ از مترجم

(۸) ایضاً ص ۲۷۰ ترجمہ از مترجم

(۹) ترجمہ۔ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا پس میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں سو میں نے خلق کو پیدا کر دیا۔ مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم نے اسے حدیثِ قدسی تسلیم نہیں کیا ہے لیکن وہ یہ ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ ''جس کسی کا بھی قول ہے، اس میں شک نہیں کہ ایک بڑے ہی گہرے تفکر کی خبر دیتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں، غبارِ خاطر مرتبہ مالک رام، ساہتیہ اکاڈمی، نئی دہلی طبع اوّل ۱۹۶۷ء ص ۱۲۴۔

(۱۰) سیرت منصور حلاجؒ مصنفہ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ۔ مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع اوّل ۱۳۹۷ھ صص ۶۰۔۶۱ راقم السطور نے خطیب بغدادی کی عربی عبارت نقل نہیں کی، صرف مولانا ظفر احمد عثمانی کا لفظی ترجمہ نقل کیا ہے۔ مولانا نے اپنے ترجمے میں کچھ عبارتیں قوسین میں یا اس کے علاوہ بھی تحریر کی ہیں، راقم نے انھیں بھی ترجمے میں نقل نہیں کیا ہے یہ اقتباس محض عربی عبارت کا لفظی ترجمہ ہے۔ مترجم مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ہیں۔

حضرت شبلیؒ کا اسم گرامی، ابوبکر دلف بن جحدر شبلی بغدادی تھا۔ ۳۳۴ھ میں وفات پائی۔

(۱۱) نامہ ہائے عین القضاۃ جلد اوّل ص ۳۵۵۔ ترجمہ از مترجم

(۱۲) ایضاً جلد دوم ص ۱۲۔ ترجمہ از مترجم۔ یحبھم و یحبونہ، کنایہ ہے سورۂ مائدہ کی آیت ۵۴ سے حضرت بایزید کا اسم گرامی، ابویزید طیفور بن عیسیٰ بن آدم بن سروشان تھا۔ بسطام کے رہنے والے تھے۔ ۲۳۴ یا ۲۶۱ھ میں وفات پائی۔ ملاحظہ فرمائیں ''سرچشمہ تصوف در ایران'' مصنفہ سعید نفیسی، تہران ۱۳۴۳ش ص ۱۹۴۔

(۱۳) بحرِ عشق۔ مصنفہ قاضی حمید الدین ناگوریؒ۔ ترجمہ قاضی احمد عبدالصمد فاروقی، ادارہ معارف اسلامیہ، کراچی، سال ندارد ص ۳۔

(۱۴) ایضاً صص ۴۔۵۔ راقم السطور نے اس ترجمے میں قوسین میں دی گئی عبارتوں کو حذف کر دیا ہے کیونکہ قوسین کی عبارتوں کے ساتھ ترجمہ بوجھل ہو گیا ہے۔

(۱۵) بحرِ عشق صص ۵۹۔۶۰

(۱۶) لمعات فخر الدین عراقیؒ (مشمولہ کلیاتِ عراقی مرتبہ سعید نفیسی) تہران، ۱۳۳۵، لمعہ ۲، ص ۳۳۰

(۱۷) ایضاً ص ۳۵۳ لمعہ ۲۱ ترجمہ از مترجم

(۱۸) ایضاً ص ۳۵۵ لمعہ ۲۳ ترجمہ از مترجم

(۱۹) سیر الاولیا۔ (فارسی) مصنفہ امیر خورد کرمانیؒ، لاہور ۱۹۷۸ صص ۴۷۶۔ ۴۷۷
ترجمہ از احقر مترجم

(۲۰) سیر الاولیا (فارسی) صص۴۶۴۔۴۶۵ ترجمہ از احقر مترجم

(۲۱) ایضاً ص۴۶۴ ترجمہ از احقر مترجم

(۲۲) ایضاً ص۴۶۶ ترجمہ از احقر مترجم (سورہ آل عمران آیت ۹۲) تم ہرگز نہ پاسکو گے نیکی یہاں تک کہ خرچ کرو اس چیز سے جسے تم پسند کرتے ہو۔

(۲۳) سیر الاولیا (فارسی) ص۴۶۵ ترجمہ از احقر مترجم

(۲۴) ایضاً ص۴۶۸ ترجمہ از احقر مترجم

(۲۵) ایضاً صص ۴۶۸۔۴۶۹ ترجمہ از احقر مترجم

مخ المعانی

جناب خلیق احمد نظامی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

''مخ المعانی'' امیر حسن علاے سجزی معروف بہ حسن دہلویؒ کا ایک مختصر رسالہ ہے جس کا ایک نادر اور نایاب نسخہ مسلم یونیورسٹی کے کتب خانہ (ذخیرہ سر شاہ محمد سلیمان ۔ ۵۔۱۱۵) میں محفوظ ہے۔

حسن دہلویؒ، شیخ نظام الدین اولیاؒ کے مرید خاص، اور امیر خسروؒ کے یار غار تھے۔ شاعری میں ایسا کمال پیدا کیا تھا کہ ''سعدی ہندوستان'' کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے (۱)۔ اُن کے ہم عصر مورخ ضیاء الدین برنی کا بیان ہے:

''در عصر علائی شعرائی بودند کہ بعد ایشاں بلکہ پیش از ایشاں چشم روزگار مثل ایشان ندیدہ است...... دویم شاعری از شعرائی یگانہ در عصر علائی امیر حسن سجزی بودہ است و اورا تالیفات نظم ونثر بسیار است و بسلامتی ترکیب و روانی سخن آیت بودہ است و از بسکہ غزلہاے وجدانی در غایت روانی بسیار گفتہ است'' (تاریخ فیروز شاہی ص ۳۶۰۔۳۵۹)

امیر حسنؒ سنہ ۶۵۲ھ مطابق سنہ ۱۲۵۴ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے تھے جو اس زمانہ میں

(۱) تاریخ فیروز شاہی۔۳۶۰، ایک شعر میں لکھتے ہیں:

حسن گلے زگلستان سعدی آور دہ است
کہ اہل معنی گل چین آن گلستان است

علم وفضل کا گہوارہ اور ارشاد وتلقین کا مرکز تھا۔ ایک قصیدہ میں اپنے وطن کے متعلق کہتے ہیں:

پروردہ فضلِ ایزدش ارشادِ غیبی مرشدش

بودہ بدایوں مولدش، دہلی منشا داشتہ

نسباً ہاشمی تھے، لکھتے ہیں:

قرشی الاصل ہاشمی نسبم

کز ہوایش برآمد ایں شجرم

ابتدائی زمانہ میں شہزادہ محمد (پسر بلبن) کے دربار سے منسلک ہو کر ملتان چلے گئے تھے اور پانچ سال تک وہاں رہے تھے (تاریخ فیروز شاہی ص ۶۷)۔ شہزادے کے دربار کو جن علماء وشعراء کی موجودگی نے چار چار لگا دیئے تھے اُن میں امیر حسنؒ اور امیر خسروؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ شہزادہ کی شہادت پر امیر خسرو نے نظم میں اور امیر حسن نے نثر میں مرثیے لکھے تھے۔ امیر حسن کے لکھے ہوئے مرثیے کو یحییٰ سرہندی نے تمام وکمال نقل کیا ہے (تاریخ مبارک شاہی ص ۵۲-۴۴)

بعد کو وہ لشکر شاہی سے متعلق ہو گئے تھے اور اس کے ساتھ اِدھر اُدھر جاتے رہتے تھے۔ مشرق میں لکھنوتی اور جنوب میں دیوگیر تک وہ فوجوں کے ساتھ گئے تھے۔ ایک موقع پر اپنی مفلسی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اکنوں کہ وقت لشکری آمد چہ ساں روم

اسپم گرو، سلاح گرو، چار پا گرو

علاؤ الدین خلجی کی مدح میں اُن کے قصائد تاریخی اعتبار سے خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ محمد بن تغلق کے زمانے میں اُن کو دیوگیر جانا پڑا اور وہیں سنہ ۸۳۸ھ میں انتقال ہوا۔ تفصیلی حالات کے لیے دیکھئے:

۱۔ تاریخ فیروز شاہی...... برنی

۲۔ سیر الاولیاء...... میر خورد

۳۔ سیر العارفین...... درویش جمالی

۴۔ اخبار الاخیار...... شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

۵۔ بہارستان...... شاہ نواز خاں

۶۔ گلزار ابرار...... محمد غوثی شطاری

۷۔ خزینۃ الاصفیاء...... غلام سرور لاہوری

۸۔ مقدمہ دیوان حسن...... مولوی مسعود علی محوی

۹۔ اورینٹل کالج میگزین۔ فروری مئی سنہ ۱۹۵۸ء ص ۱۷۔۱۲

حسن دہلویؒ کے کثیر التصانیف ہونے کا ذکر برنی اور میر خورد دونوں نے کیا ہے۔ اُن کی تین کتابیں خاص طور پر مشہور ہیں (۱) ملفوظات شیخ نظام الدین اولیاءؒ موسوم بہ ''فوائد الفواد'' (متعدد بار مطبع نول کشور سے چھپ چکی ہے) (۲) مرثیہ شہزادہ محمد (۳) دیوان (مرتبہ مسعود علی محوی حیدرآباد سنہ ۱۳۵۲ھ)۔ ''فوائد الفواد'' کو برنی نے ''دستور صادقانِ ارادت'' بتایا ہے اور میر خورد نے لکھا ہے کہ:

''سلطان الشعراء امیر خسرو علیہ الرحمہ کرات گفتے کاشکے تمامی کتب کہ عمر دراں صرف کردہ ام برادر امیر حسن را بودے و ملفوظات سلطان المشائخ کہ جمع کردۂ اوست مرا بودے تا من بدان در دنیا و آخرت مباہات کردمی۔'' (سیر الاولیا)۔

شاعری حیثیت سے اُن کی عظمت کا اندازہ فیضی کے اس قطعہ سے لگایا جاسکتا ہے:

وگر از علمِ من سخن طلبی
بر زبانم جہاں سخن است
وگر از پیرِ من نظر جوئی
روحِ فیاض خسرو و حسن است

''مخ المعانی'' جس کا تعارف کرانا اس وقت مقصود ہے اب تک گوشہ گمنامی میں رہی۔ اس کا ذکر حسن دہلوی کے کسی تذکرہ نگار نے نہیں کیا۔ مشہور کتاب خانوں کی فہرستوں میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ لیکن اس کا حسن دہلوی کی تصنیف ہونا، اندرونی شہادتوں کے علاوہ، ''فوائد الفواد'' سے بھی ثابت ہے۔ لکھا ہے:

چہار شنبہ بست سوم محرم سنہ اثنی وعشر وسبعمائۃ دولت پائبوس حاصل شد۔ آنروز کاتب کتاب ''مخ المعانی'' بخدمت ایشان بردہ بود، تحسین واستحسان بسیار نمود۔ ہما نروز بیعتی بہ تجدید کردہ آمد۔ کلاہ از سر مبارک خود بر سر بندہ نہاد۔ دو بار ایں بیت بر لفظ دربار راند'':

در عشق تو کارِ خویش ہر روز
از سر گیرم زہے سروکار

از نسبتی کتابی کہ بندہ بردہ بود فرمود کہ از کتا بہائی کہ مشائخ نوشتہ اند، ''روح الارواح'' نیک باراحتست، نیکو کتابی است'' (ص ۸۳)

اس اقتباس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ''مخ المعانی'' کو حضرت سلطان المشائخ نے کس قدر پسند فرمایا تھا۔

پیش نظر نسخہ ۳۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ جلد میں اس رسالہ کے علاوہ دو مختصر تحریریں بھی شامل ہیں۔(۱) ایک مکتوب شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ بنام شیخ نظام الدین اولیاءؒ (ص ۴۴۔۴۷) (۲) شاہ کلیم اللہ دہلویؒ کی ایک مختصر سوانح عمری (ص ۵۵۔۴۶)۔

سرورق پر یہ عبارت ہے:

''کتاب مخ المعانی الشیخ الامیر حسن علاء السجزی الدہلوی قدس اللہ سرہ من مواہبہ تعالیٰ علی عبدہ الراجی ضیاء الدین احمد الدہلوی تاب اللہ علیہ۔ شعبان المعظم سنہ ۱۲۹۷ھ''

ضیاء الدین احمد، شاہ کلیم اللہ دہلویؒ کے خاندان سے اس طرح پر تعلق رکھتے تھے۔

شاہ کلیم اللہؒ

شرف النساء مشہور بہ بڑی بی بی

میر وارث علی معروف بہ میر محمدی

مقبول النساء عرف بولا بیگم

مولوی محمد سالم

مولوی عبدالسلام

ضیاء الدین احمد

رسالہ کے خاتمہ پر یہ عبارت درج ہے:

''تمام شد بعونہ تعالیٰ بتاریخ بست ونہم ماہ شعبان المعظم سنہ ۱۲۹۷ ہجری بر کوہ آبو راجپوتانہ بدست وقلم افقر البریہ الی اللہ العبد الاواہ عبدالغنی المدعو بہ ضیاء الدین احمد دہلوی تاب اللہ علیہ آمین، فقط۔''

''مخ المعانی'' میں لفظ ''عشق'' پر تصوف کے نقطۂ نظر سے گفتگو کی گئی ہے۔ اندازۂ فکر شیخ جمال الدین ہانسویؒ کے عربی رسالہ ''ملہمات'' سے بہت ملتا جلتا ہے۔ نفس مضمون اور طرزِ تحریر کا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے۔

ھوالحق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الملک الحق المبین علی انہ ربی ورب السموات ورب الارضیین ونبی محمد رسول اللہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ اجمعین وشیخی شیخ الاسلام نظام الحق والدین متع اللہ المسلمین بطول بقاہ آمین والحمد للہ رب العالمین۔ امابعد حمد وثنا ونعت میگوید بندۂ حسن علاء سجزی کہ ''عشق'' لفظی است ترکیب یافتہ از سہ حرف عین وشین وقاف۔ ہر حرفے از حالاتِ عشق و مقالاتِ محبت حاکی است، عین را معانی بسیار است۔ ''نکتہ'' یک معنی عین چشم است۔ اصحابِ خرد وخداوندانِ دانش دانند کہ تخم عشق چشم است۔ بیت:

شد تخمِ عشق ایں چشمِ سر، زاں دارمش چوں تخم تر

یارب چہ خواھد داد بر تخمِ در آب انداختہ

آدم صفی اللہ صلوات اللہ وسلامہ علیہ در آغاز صبح اربعین صباحاً چوں چشم بکشاد نظر بر جمال عشق افتاد۔ آں جنبش عشق بود کہ طاق وطارق بہشت را پشت پا می زد وروی بخراب آبادِ دنیا نہاد وچوں بنظر تصور دید ودر مقابلہ حور وقصور، ویرانہ محبت واندوہ را قرارگاہ ساخت، آری در سایۂ درختانِ بہشت سبق عشق تکرار نتواں کرد، خانہ در خارستانِ ابتلا باید گرفت و بوستان بلا ملازمت باید نمود تا تختہ ''ان اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الاولیاء ثم الامثل فالامثل'' درست شود۔ اگرچہ از پیش فرمان آمدہ بود ''یا آدم اسکن انت وزوجک الجنۃ''۔ عجب کاری عشق و

سکون عاشق آوارگی دوست باشد وخرابی پرست، باغ و بستان را مرغان دیگر اند۔ حلوا خور و دنیا شعار طایفہ علیحدہ۔

''نکتہ'' صدیق اکبر رضی اللہ راہمین معاملہ بود، چوں داعیہ عشق درکار آمد نعمت و ثروت چندیں سالہ را بمنجی و گلیمی مبادلہ کرد وہشتاد ہزار دینار رونمای آں ہمایوں تر از صد ہمای درمیان آورد۔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمودای ابوبکر ذخیرہ چہ می گذاری۔ گفت: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''اللہ و رسولہ'' گفت: ای پسر بوقحافہ قحف عشق مالا مال درمیکنی، نصیبہ عالم خاک چنانکہ معہوداست جرعہ نمی گذاری۔ گفت: یا رسول اللہ من حریفی چون در تو یافتہ ام از امروز تا صبح قیامت صبوحی صداقت و دوست کامی دوستی تو ہرگز از دست نگذارم۔

(سہ ماہی فکر ونظر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ جلد (۴) نمبر ایک جنوری ۱۹۶۳ء)

کتابِ عشق

مخ المعانی

فارسی متن اور ترجمہ

ہوالحق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الملک الحق المبین علیٰ انہ ربی ورب السمٰوٰۃ الارضیین، ونبیی محمد رسول اللہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ اجمعین، وشیخی شیخ الاسلام نظام الحق والدین متع اللہ المسلمین بطول بقایہٖ، آمین والحمدللہ رب العالمین۔

امابعد حمدوثنا ونعت می گوید بندۂ حسن علا سجزی کہ عشق لفظی است ترکیب یافتہ از سہ حرف عین وشین وقاف۔ ہر حرفے از حالاتِ عشق ومقالاتِ محبت حاکی است۔ عین رامعانی بسیار است۔

نکتہ۔ یک معنیِ عین چشم است۔ اصحابِ خرد و خداوندانِ دانش دانند کہ تخمِ عشق چشم است۔ بیت:

شد تخمِ عشق اینِ چشمِ سرزاں دارمش چون تخم تر

یارب چہ خواہد داد بر، تخمِ درآب انداختہ

آدم صفی اللہ صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ درآغازِ صبح اربعین صباحاً چون چشم بکشاد نظر برجمالِ عشق افتاد، آن جنبشِ عشق بود کہ طاق وطارقِ بہشت راپشت

ھوالحق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریف اللہ ہی کے لائق ہیں جو صریحاً بادشاہ حقیقی ہے۔ لاریب وہی میرا اور آسمانوں زمینوں کا رب ہے۔ میرے نبی، اللہ کے رسول اور نبیوں کے سردار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ اجمعین ہیں۔ میرے پیر، شیخ الاسلام نظام الحق والدین ہیں، اللہ اُن کی درازی عمر سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے، والحمدللہ رب العالمین۔

حمد وثنا اور نعت ومنقبت کے بعد بندہ حسن علاسجزی عرض کرتا ہے کہ عشق ایسا لفظ ہے جس نے تین حروف، عین، شین اور قاف سے ترکیب پائی ہے اور اس کا ہر حرف عشق کے احوال اور محبت کی حکایت بیان کرتا ہے۔ عین کے بہت سے معنی ہیں۔

نکتہ۔ عین کے ایک معنی ''چشم'' ہیں۔ اہل خرد اور ارباب دانش جانتے ہیں کہ چشم تخمِ عشق ہے۔ بیت:

شد تخمِ عشق ایں چشمِ سر، زاں دارمش چوں تخم تر
یارب چہ خواہد دادبر، تخمِ درآب انداختہ

(یہ چشمِ سر عشق کا بیج ہے میں اسے بیج کی مانند تر رکھتا ہوں۔ یارب آنسوؤں میں ڈوبا ہوا یہ بیج کیسا پھل دے گا۔)

جب آدم صفی اللہ صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ نے چالیسویں دن کی صبح کو آنکھ کھولی تو اُن کی نظر جمالِ عشق پر پڑی۔ اُن کی ذات میں عشق کی ایسی ہلچل پیدا ہوئی کہ بہشت کی محراب وبلندی سے بے نیاز ہوکر

پای زد وروی بخراب آبادِ دنیا نہاد۔ وچوں بنظرِ تصور دید و درمقابلۂ حور وقصور ویرانۂ محبت واندوہ را قرار گاہ ساخت۔ آری درسایۂ درختانِ بہشت سبقِ عشق تکرار نتوان کرد۔ خانہ درخارستانِ ابتلا باید گرفت و بوستانِ بلا ملازمت باید نمود تاتختۂ اِن اشدّ الناس بلاء الانبیا ثم الاولیا ثم الامثل فالامثل درست شود۔ اگرچہ ازپیش فرمان آمدہ بود یاآدمُ اسکن انت وزوجک الجنۃ، عجب کاری عشق وسکونِ عاشق آوارگی دوست باشدو خرابی پرست، باغ وبستاں رامرغان دیگراند حلواخور و دنیا شعار طایفہ علیٰحدہ۔

نکتہ۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ راہمیں معاملہ بود، چوں داعیہ عشق درکار آمد، نعمت و ثروت چندیں سالہ رابگنجی وگلیمی مبادلہ کرد وہشتاد ہزار دینار رونمایِ آں ہمایوں ترازصد ہمای درمیان آورد۔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمود، ای ابوبکر ذخیرہ چہ می گزاری۔ گفت یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''اللہ ورسولہ'' گفت ای پسر بوقحافہ متحفِ عشق مالا مال دری کنی نصیبۂ عالم خاک چنانکہ معہوداست جرعۂ نمی گزاری۔ گفت یارسول اللہ من حریفی چوں درتو یافتہ ام ازامروز تاصبح قیامت صبوحیِ صداقت و دوست گامی دوستیِ تو ہرگز ازدست نگذارم

خراب آبادِ دنیا میں آ گئے۔ جب تصوّر کی نگاہ سے دیکھا تو حور وقصور کے بجائے رنج وغم کے ویرانے کو اپنی آماجگاہ بنالیا۔

حقیقت یہ ہے کہ بہشت کے درختوں کے سایے تلے سبقِ عشق کی تکرار ممکن نہ تھی۔ اس کے لیے خارستانِ ابتلا میں گھر بنانا اور گلستان بلا کی باغبانی کرنا ناگزیر تھا تاکہ وہ سبق یاد ہوجائے کہ انسانوں میں سب سے زیادہ سختی انبیا نے پھر اولیا نے پھر انھی کی مثل لوگوں نے برداشت کیں، حالاں کہ اس سے پہلے (بارگاہِ الوہیت سے) فرمان آ چکا تھا ''یـا آدم اسکن انت وزوجك الـجـنة (۱) (لیکن) عشق کا معاملہ اور آوارگی پسند عاشق کے سکون کا عجب حال ہے۔ باغ وبوستاں کے خرابی پرست پرندے اور ہوتے ہیں اور دنیا شعار حلوہ خوروں کا گروہ اور ہوتا ہے۔

نکتہ۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہی معاملہ تھا کہ جب عشق کے داعیے نے ان کو اپنے اثر میں لیا تو مدّت دراز کی نعمت وثروت کا ایک کمبل اور میخ سے تبادلہ کرلیا۔ اسّی ہزار دینار، سیکڑوں ہماؤں سے زیادہ ہمایوں چہرے کی رونمائی پر نثار کردیے۔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اے ابوبکر (اہل وعیال کے) خرچ کے لیے کیا رکھا؟ عرض کیا،

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، بس اللہ اور اس کے رسول کو۔ حضورؐ نے فرمایا، اے ابن ابوقحافہ! تم نے عشق کے کاسۂ سر کو مالامال کردیا اور دنیا کے لیے کچھ نہ رکھا جب کہ دستور کے مطابق کچھ تو اپنے لیے رکھنا چاہیے تھا۔ عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے آپ جیسا رفیق پایا ہے۔ میں اب سے صبح قیامت تک صداقت کی صبوحی اور آپ کی رفاقت کی نعمت سے دست بردار نہ ہوں گا۔

نظامی خوش می گوید علیہ الرحمۃ والرضوان، بیت:

دریا کشم از کفِ تو ساقی
نگذارم نیم جرعہ باقی

ای یارِ غار تو درغورِایں محبت از کجا فرو شدی۔ ای آفتابِ آسمانِ رسالت من شبی درخواب دیدم کہ گوئی ماہِ آسمان درکنارِمن آمدہ است، ازاں شب بازدیدۂ خود را پسندیدہ ام وازدل و دیدہ غلام ایں دیدہ ام۔ اگرکسی ازدیدۂ بلا بیند من بہمہ نعم وافرہ دیدہ ام وخلع فاخرہ باو پوشیدہ ام۔

نکتہ۔ ہر چہ بیند از دیدہ بیند، خواہ نعمت خواہ بلا، مہتر داؤد علیہ السلام برہنمونیِ دیدہ دید آنچہ دید۔ عاقبت الامر چنداں سیل ازسیاہیِ دیدہ براند کہ سبزہ ازگورِاو زبان برآورد، ای داؤد ایں چہ می کنی۔ چکنم چشم مرادِامانِ نظر بغباری آلودہ شدہ است، بآبِ چشمہا نمازے می کنم۔ مرا این چشم کہ رسید، ہم از چشم رسید اکنوں ازدیدہ عذرِآں می باید خواست کہ چرانادیدنیہا دیدم۔ نظم:

شبی آن چشمِ مست وآن لبِ خونخوار را دیدم
زگریہ چشمِ من خون شد پشیمانم چرا دیدم
مراگفتند، سوی اومبین دیدم بلا کردم
مراگفتند گفتِ دل مکن کردم سزادیدم
ندیداین چشمِ من جزدر سر زلفِ بلا خیزش
ازیں چشمِ پریشان بین ہمیشہ این بلادیدم

نکتہ۔ نبشتہ شدہ است کہ یک معنیٰ چشم است

نظامی علیہ الرحمۃ والرضوان نے کیا خوب کہا ہے۔ بیت:

دریا کشم از کفِ تو ساقی نگذارم نیم جرعہ باقی

(اے ساقی میں تیرے ہاتھ سے دریا پی جاؤں گا اور آدھا گھونٹ بھی نہ چھوڑوں گا)

اے یارِ غار تم محبت کی گہرائیوں میں کیسے پہنچ گئے۔ اے آفتاب آسمانِ رسالت میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ چاند میری گود میں آ گیا۔ اس رات سے مجھے وہ نظر پسند ہے اور میں دیدہ و دل سے اس آنکھ کا غلام ہوں۔ اگر کوئی نظر لگاتا ہے (تو لگائے) میں نے تو ساری نعمتوں کی کثرت سے دیکھا ہے اور اُن سے خلعت فاخرہ پہنی ہے۔

نکتہ: جو کچھ نظر آتا ہے آنکھ سے نظر آتا ہے، نعمت ہو یا بلا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے جو کچھ دیکھا آنکھ سے دیکھا۔ آخر کار ان کی آنکھ سے سیاہی کا ایسا سیلاب جاری ہوا کہ اس کی قبر کا سبزہ پکار اٹھا یہ داؤد یہ کیا کرتے ہو۔ کیا کروں میری آنکھ کا دامانِ نظر غبار آلود ہو گیا۔ آنکھوں کے پانی سے پاک کر کے نماز ادا کرتا ہوں۔ یہ بھی مجھے آنکھ ہی سے پہنچا ہے۔ اور اب آنکھ ہی کے ذریعے معذرت کرنا چاہیے جو نہ دیکھنا تھا اسے کیوں دیکھا۔ نظم:

شبے آں چشم مست وآں لبِ خوں خوار را دیدم زگریہ چشمِ من خوں شد پشیمانم چرا دیدم
مرا گفتند، سوے او مبیں، دیدم بلا کردم مرا گفتند، گفتِ دل مکن، کردم سزا دیدم
نہ دید ایں چشمِ من جز در سرِ زلفِ بلا خیزش ازیں چشمِ پریشاں بیں ہمیشہ ایں بلا دیدم

میں نے ایک شب اس مست آنکھ اور خونخوار لب کو دیکھا، اسی وقت سے گریہ سے میری آنکھیں خون ہو گئی ہیں اور میں پشیماں ہوں کہ میں نے کیوں دیکھا۔ مجھ سے لوگوں نے کہا، اس کی طرف نہ دیکھنا۔ میں نے دیکھا اور مصیبت میں پڑ گیا۔ لوگوں نے کہا، دل کا کہا نہ ماننا۔ میں نے دل کا کہا مانا اس کی سزا بھگتی۔ میری آنکھ نے اس بلا خیز زلف کے سوا کسی طرف نگاہ نہ کی۔ اس پریشان آنکھ کے باعث ہمیشہ بلائیں ہی دیکھیں۔

نکتہ: تحریر کیا گیا ہے کہ عین کے ایک معنی چشم ہیں۔

چشم و عشق باہمد گر مناسبتی ہم دارند، چنانکہ در چشم سہ چیزمی باید در عشق نیز سہ صفت می باید۔ آن سہ چیز کہ در چشم می باید، کدام است۔ سواد و بیاض و نور، و آن سہ صفت کہ در عشق می باید کدام است۔ فقر و حزن و حضور چنانکہ چشم بی سواد و بی بیاض و بی نور، درست نباشد، عشق ہم بی سواد الفقر سواد الوجہ فی الدارین و بی بیاض و ابیضت عیناہ من الحزن و بی حضور رایت ربی فی قلبی تمام نباشد۔

نکتہ۔ محب کہ نظر بمحبوب دارد، باید کہ یک لحہ از عالم حضور دور نباشد تا دورِ مرادات پیاپی در کشد۔ مرید ہم کہ بخدمتِ پیری پیوندد تا از دمِ مبارکِ او نعمتی یابد، باید کہ بقدمِ عشق با مقدمہ صدق در پیش رود تا غرضِ اصلی و مقصودِ کلی بحصول انجامد، چنانچہ عاشق ہمہ ارادتِ معشوق خواہد مرید ہم می باید کہ عاشق باشد۔

نکتہ مریدی کہ در عشق چست نیست گوئی ارادتِ او درست نیست۔ مرید باید کہ بہمہ جان و دل عاشقِ افعال و اقوال پیر باشد تا ثمرۂ ارادت و سعادتِ بیعت مہیا یابد و اگر نہ ہم چنیں باشد یکی مریدی رسمی چنانکہ چندیں مسلمانانِ رسمی ہستند او نیز یکی مریدی باشد رسمی۔

نکتہ۔ اگر پیر مرید را فرمان دہد کہ فلاں دعا را بخواں یا فلاں نماز بگذار مرید را باید کہ در

عشق اور آنکھ ایک دوسرے سے مناسبت بھی رکھتے ہیں۔ جس طرح آنکھ کی تین خصوصیات ہیں اسی طرح عشق کی بھی تین صفتیں ہیں۔ وہ تین چیزیں جو آنکھ کے لیے ضروری ہیں کون سی ہیں؟ سیاہی۔ سفیدی۔ اور روشنی۔ عشق کی تین صفتیں کیا ہیں؟ فقر، غم اور حضوری۔ جس طرح آنکھ سیاہی، سفیدی اور روشنی کے بغیر مفید نہیں ہے اسی طرح عشق بھی فقر کی سیاہی کے بغیر دنیا وآخرت کی رسوائی ہے (غم کی) سفیدی کے بغیر وابیضیت عیناہ من الحزن (۳) (سے محروم رہتا ہے) اور حضوری کے بغیر رایت ربی فی قلبی (۴) کی تکمیل نہیں ہوتی۔

نکتہ: عاشق جو محبوب پر نظر جمائے ہوئے ہے، اس پر لازم ہے کہ ایک پل بھی حضوری کی کیفیت سے الگ نہ ہو، تا کہ پے در پے وصول کے جام پیتا رہے (اسی طرح) اس مرید پر بھی جو کسی شیخ سے اس لیے وابستہ ہوتا ہے کہ اس کے مبارک انفاس سے نعمت حاصل کرے، لازم ہے کہ قدم عشق اور مقدمہ صدق کے ساتھ پیر کی خدمت میں حاضر ہو، تا کہ حقیقی مراد اور مقصودِ کلی کا حصول انجام پائے۔ جس طرح عاشق چاہتا ہے کہ اس کی تمام تر ارادت محبوب سے ہو اسی طرح مرید کے لیے بھی ضروری ہے کہ شیخ سے اس کی ارادت عشق آمیز ہو۔ جس طرح عاشق کے لیے مرید بن جانا لازمی ہے اسی طرح مرید کا عاشق ہونا شرطِ ارادت ہے۔

نکتہ: وہ مرید جو پیر کے عشق میں چست نہیں اس کی ارادت کا مقصد بے معنی ہے۔ مرید پر لازم ہے کہ جان ودل سے پیر کے قول وفعل کا عاشق ہو، تا کہ اسے ارادت کا ثمرہ اور بیعت کی سعادت حاصل ہو سکے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو وہ رسمی مرید ہے۔ جس طرح بہت سے مسلمان رسمی مسلمان ہیں، وہ بھی ایک مرید رسمی ہے۔

نکتہ: اگر پیر کسی مرید کو حکم دے کہ تم فلاں دعا پڑھا کرو یا فلاں نماز ادا کیا کرو تو مرید پر لازم ہے کہ

تلاوتِ آن دعا و درادای آن نماز اوّل دردل آن بگذراند که این آن فرمان است که پیر فرموده است و باید که دریں یاد کردن چندان ذوق و راحت درو پیدا شود که وہم از حصر و احصارِ آن عاجز آید۔ چناں باید که بمعانیِ آن دعا وانچه درآن نمازی خواند برسد۔ ہم ازفکراولیٰ دولتهای بی منتہا ذخیرہ کردہ باشد۔

نکته۔ ایں کلمات که از تحریر افتاد، نصیبهٔ خواص است و فایدهٔ عوام سخن آشنا ہم آشنایان شناسند و اشارتِ معرفت ہم اہلِ معرفت معلوم کنند صادقی باید که تعظیم ذاتِ کعبه صفات پیر دردل او متمکن بود تا زمزمِ جاں از زمزمهٔ انفاسِ او ممتلی باید۔

نکته۔ یکی را دیدم که فرسنگہا قطع کردہ دیبا بانہا بپایان رسانیده، کجا رفت، بزیارت کعبه رفت۔ چون باز آمد ہمان خواجه سوداگر بود که سالہا آن بجہتِ بیع وشریٰ در چہار باز ارطواف می کرد۔ این بارآن طواف چہار بازار رابطوافِ چہار دیوار بدل کرد و باز آمد۔ ندانست که کجا رفت وچه دید، خانه را نظارہ کرد و بازگشت۔ نه از خانه جزیافت و نه از خصم خانه، وراہی بدیں دوری و درازی طی کرد۔ چوں ہمراہیِ عشق نداشت منزلِ مقصود گم کرد۔ بیت:

بکعبه ی روم گہه گہه قبولِ طاعتِ خودرا
چوتو ہمره نمی باشی پشیمان بازمی آیم

نکته۔ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنه باچندیں بعدِ مسافت ہم نشین وقت رسول بود

اس دعا کی تلاوت اور اس نماز کی ادائیگی سے پہلے، یہ بات دل میں بٹھالے کہ یہ پیر کا فرمایا ہوا حکم ہے۔ اس حکم کی بجا آوری سے یقیناً اس کے باطن میں اس قدر ذوق وراحت پیدا ہوگی کہ وہم وخیال اس کا اندازہ کرنے سے قاصر رہیں گے، نیز اس دعا اور اس نماز کے معانی بھی اسے حاصل ہوں گے۔ اپنی فکر سے زیادہ دولت اور لاانتہا خزانوں سے بہرور ہوگا۔

نکتہ: یہ چند جملے جو معرضِ تحریر میں آئے ہیں خواص کا حصہ ہیں اور (ایک درجے میں) عوام کا بھی فائدہ ہے کہ وہ دوست کی باتیں دوستوں ہی سے سنتے ہیں اور معرفت کے اشارات اہلِ معرفت ہی سے معلوم کرتے ہیں۔ مریدِ صادق چاہیے جو کعبہ صفت پیر کی ذات کی تعظیم اپنے دل میں بٹھالے تاکہ، اس کا زمزمِ جاں شیخ کے مبارک انفاس کے زمزمے سے لبریز ہوجائے۔

نکتہ۔ میں نے ایک صاحب کو دیکھا جو فرسنگوں کا سفر کرکے اور بیابانوں سے گزر کر کعبے شریف کی زیارت کے لیے گئے۔ واپس آئے تو ویسے ہی خواجہ سوداگر تھے جو (اس سے پہلے) برسوں خرید وفروخت کے چکر میں چار بازاروں میں پھرتے تھے۔ اس مرتبہ چار بازاروں کے طواف کے بجائے چار دیواروں کا طواف کرلیا اور واپس آگئے۔ یہ بھی نہ جانا کہ کہاں گئے تھے اور کیا دیکھا تھا بس دیکھا اور چلے آئے۔ نہ مکان سے کچھ پایا نہ صاحبِ مکان سے کچھ حاصل کیا۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوا کہ دور دراز کا ایک راستہ طے کرلیا۔ چوں کہ عشق کی ہمراہی میسر نہ تھی منزلِ مقصود سے بھٹک گئے۔ بیت:

بکعبہ می روم گہہ گہہ قبولِ طاعتِ خودرا
چو تو ہمرہ نمی باشی پشیماں باز می آیم

ترجمہ: میں اپنی طاعت کی قبولیت کے لیے گاہ بگاہ کعبے جاتا ہوں لیکن اے دوست جب تو ساتھ نہیں ہوتا تو پشیمان ہوکر واپس آجاتا ہوں۔

نکتہ: حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر دوری کے باوجود رسول علیہ السلام کے ہم نشینِ وقت تھے۔

صلی اللہ علیہ وسلم۔ آن شیر سیاہ کہ سوادِ قرن بیشہ داشت ہمہ دندانہای خود شکست گفتند ایں چہ می کنی۔ گفت موافقتِ حضرت رسالت پناہ می کنم علیہ الصلوٰۃ والسلام گفتند او کجا تو کجا۔ گفت من ہمانجام کہ اوست۔ دوست غایب نباشد از دوست۔ من ہمہ احوالِ او بدیدۂ دل می بینم۔ چشم سرّ من روشن تراز چشم سراست۔ چشم کہ بسرمۂ عشق مکحل باشد از فرش تا عرش بہ بیند۔ از یمن تا مکہ چہ حجاب مانع آید۔

نکتہ: چنداں حجج زاہرہ و براہین باہرہ کہ سید قریشی علیہ الصلوٰۃ والسلام گفت، منافقانِ عرب و مشرکانِ آں دیار ہیچ نشنودند، درمیانِ خلق متداول است کہ گویند ای خواجہ من دہ بار ترا گفتم تو نشنیدی۔ حضرتِ عزتہ درسورۂ والمرسلات دہ بار فرمود کہ ویل یومیذ للمکذبین اما چون اہل تکذیب را گوش ہوش گران بود واد بارِ ضلالت بیکران، سخنِ حق نہ شنودند وکلمۂ مفید شان نافع نیامد۔ عاشق را گوش بر سماعِ نامِ دوست باشد و ہوش متعلق بنام او۔ سلسلۂ رضای مولیٰ می باید کہ درجنبش آید تا مجانینِ عالم عشق درکار آیند۔ امیرالمومنین عمر رضی اللہ عنہ در پیرایۂ کفر و نخانۂ بیگانگی ساکن بود از عالم عنایت خطاب آمد، ای خطاب صاحب نعمتی چون محمد رسول اللہ علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیۃ والتسلیمات دعوت می کند۔ خیز کہ ترا بسماع سورۂ طٰہٰ خرقہ خطاہا می باید درید۔

نکتہ۔ چون محک تمام است سماع و معیار مطلق است احوال از آن

اس سیاہ شیر نے جو سوادِ قرن کے جنگل میں رہتا تھا، اپنے تمام دانت توڑ ڈالے۔ لوگوں نے پوچھا، تم یہ کیا کر رہے ہو، جواب دیا کہ حضرت رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موافقت کر رہا ہوں۔ لوگوں نے کہا، وہ تم سے بہت دور ہیں۔ اویس قرنیؓ نے کہا، میں بھی وہیں ہوں جہاں حضورؐ ہیں۔ دوست دوست سے نہیں چھپتا۔ میں نے دل کی آنکھ سے حضور کو دیکھ لیا ہے۔ میری چشمِ باطن، چشمِ سر سے زیادہ روشن ہے۔ وہ آنکھ جس میں عشق کا سُرمہ لگایا گیا ہو فرش سے عرش تک دیکھ لیتی ہے، اس کے لیے یمن سے مکے تک کونسا حجاب مانع ہوسکتا ہے۔

نکتہ: قریشی سردار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس قدر واضح اور روشن دلایل بیان فرمائے لیکن عرب اور اس دیار کے منافقین و مشرکین نے آپؐ کی بات نہ سمجھی۔ لوگوں کے درمیان ایک مثل مشہور ہے، ''اے خواجہ میں نے دس مرتبہ کہا، آپ نے سنی ان سنی کردی''۔ ربّ العزّت نے سورۂ ''المرسلات'' میں دس بار فرمایا کہ ویل یومیذ للمکذّبین (یعنی اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی) لیکن چونکہ اہلِ تکذیب کے گوش ہوش بہرے تھے اور گمراہی کی نحوست بے حساب تھی انھوں نے حق بات نہ سنی اور مفید کلام سے انھیں فائدہ نہ ہوا۔

عاشق کے کان دوست کا نام سننے پر لگے رہتے ہیں اور دھیان اس کے نام کے ساتھ وابستہ رہتا ہے، بس رضائے مولیٰ کی زنجیر درکار ہے۔ جب وہ ہلتی ہے تو عالمِ عشق کے دیوانوں میں ہلچل مچ جاتی ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کفر کے طور طریق اور بے گانگی کے خم خانے میں مقیم تھے (یکا یک) عالمِ عنایت سے خطاب ہوا، اے خطاب تو صاحبِ نعمت ہے کہ تجھے محمد رسول اللہ علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات وتسلیمات جیسے (نبی) حق کی طرف بلاتے ہیں۔ اٹھ (حاضر خدمت ہو) کہ سورۂ طٰہٰ کے سماع سے خطاؤں کا خرقہ چاک چاک ہوجائے۔

نکتہ: بے شک سماع کامل کسوٹی اور مطلق معیار ہے۔ اس سے جو کیفیات پیدا ہوتی ہیں

وجود مستمع رادر بوتهٔ وقت چنان می گزارد کہ از غل غلیاتِ نفس وفسق وغشاوتِ طبع ذرهٔ درونمی ماند، طرفہ این کہ پرسند این احوال و اوقات رااز صاحبِ سماع، گوید ہرگز در تحریر وتقریر نتواں آوردن زیرا کہ آن کس کہ سوال می کند درعالمِ تفرقہ است وجواب دہندہ جامع اوصافِ عشق۔ جواب باسوال کہ باز خواند سوال از سرِ زبان، جواب از دل۔ سوال ازاسبابِ ظاہر جواب از اسرارِ باطن۔ سوال از صدرِ محفلِ عقل و جواب از کنجِ محنتِ عشق۔ پس این معانی مگر ازدلی بہ دل نقل شود واگرنہ ہرگز درلوحِ بیان وصحیفۂ تبیان رقم نتواں زد۔

نکتہ۔ مزامیری کہ درمزامیراست، فہم اہلِ غناوہم اہلِ لعب آنرا ادراک نتواں کرد ومحتسب کہ چنگ وبربط می سوزدیعنی اورا آن ساعت ازخدای یادمی آید، کلا وحاشا ہرکرا در باطن باوشغلی ظاہرباشد پیش او باغیرِ او چہ اشتغال۔ مقصودِ آن شخص ازآن امرِ معروف تمشیتِ شغلِ خوداست و رعایتِ رسوم معہودہ۔ اگردلِ آن بحقیقت متعلق حق باشداوخود ہرگزمتقلدِ آن شغل کی شوذ۔ بیت:

ای محتسب آن چنگ چہ مے سوزی و بربط
آخر نہ کہ باسوختگان ساختہ بودند

نکتہ۔ حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ وطیب اللہ سرہ دراحیاء العلوم درین باب فصلی منشرح راندہ است ودربعضی کتب حکایتِ

وہ سننے والے کے وجود کو وقت (۵) کی کٹھالی میں اس طرح پگھلا دیتی ہیں کہ نفس کی کدورتوں میں سے کسی کدورت اور طبیعت کی بد اعمالی اور حجاب کا ایک شمہ باقی نہیں رہتا۔ طرفہ یہ کہ (بے ذوق) حضرات صاحبِ سماع سے ان احوال (۶) کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ ان احوال واوقات کی کیفیت معرض تحریر وتقریر میں نہیں لائی جاسکتی، وجہ اس کی یہ ہے کہ دریافت کرنے والا تفرقے (۷) کے عالم میں ہے اور جواب دینے والا اوصاف عشق کا جامع ہے۔ سوال کا جواب کون دے سکتا ہے۔ سوال نوکِ زبان سے ہے جواب دل سے۔ سوال ظاہری اسباب کی بنا پر کیا گیا ہے، اس کے جواب کی اصل اسرارِ باطن ہے۔ سوال محفلِ عقل کی صدرگاہ سے ہوا ہے، جواب عشق کے گوشۂ مصیبت سے دیا جاتا ہے۔ جواب کی حقیقت دل سے دل پر منتقل ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ حقیقت نہ کسی طرح بیان کی جاسکتی ہے نہ کسی واضح تحریر میں قلمبند کی جاسکتی ہے۔

نکتہ: وہ صدائے ساز جو ساز سے نکلتی ہے، اہلِ دولت کی فہم اور کھیل کود میں مست لوگوں کا وہم اس کا ادراک کر ہی نہیں سکتے۔ محتسب جو چنگ وبربط جلا دیتا ہے گویا کہ اس کو اس گھڑی خدایاد آتا ہے، ایسا نہیں ہے۔ جس شخص کے باطن میں سماع سے مشغولیت پیدا ہوگئی اسے اللہ کے ہوتے ہوئے اس کے غیر سے کیا کام۔ اس امرِ معروف سے اس شخص (۸) (محتسب) کا مقصود اپنے کام کو جاری رکھنا اور رسم قدیم کی پاسداری ہے اگر فی الحقیقت اس کا دل حق کے ساتھ ہوتا تو ہرگز اس کام میں نہ پڑتا۔ بیت:

اے محتسب آں چنگ چہ می سوزی وبربط
آخر نہ کہ باسوختگاں ساختہ بودند

ترجمہ: اے محتسب تو چنگ وبربط کیوں جلاتا ہے۔ بات صرف اس قدر تھی کہ ان سازوں نے سوختہ دلوں سے موافقت کرلی تھی۔

نکتہ: حجتہ الاسلام امام محمد غزالی رحمتہ اللہ علیہ وطیب اللہ سرہ نے "احیاء العلوم" میں اس باب میں ایک واضح فصل تحریر کی ہے نیز عرب قبایل کے قصوں کی بعض کتابوں میں

قبایلِ عرب واثرِ سماع دراشتران بسیار آمده است۔ در بعضی مواضع نیز درصحرای صیدگاه قومی رامی استادندتا سرودگویند بامزامیری صوتِ او در دماغ هرکه فرو می شود، ولوله از اندرونِ او پیدا آید۔ہم چنیں گویندواین حکایت درغایت شہرت است کہ آہو چون آن سماع درگوش کند صبر از دلِ آن برود وآہوبی صبر شود وپای کوبان نزدیک آن قبایل کہ قاتلِ اوست برسدو از قیدوصید ہیچ باک نہ دارد۔ سبحان اللہ اَنعام باین اِنعام رسدو بعضی بنی آدم ازین نعمت محروم وبی نصیب اند۔ نمی دانم کہ حکم این آیۃ درحقِ کیان است۔ اولک کالانعام بل ہم اضل۔

نکتہ۔ اہل سماع کہ دررقص می شوند وحرکت و حالاتِ ایشان کہ معائنہ می افتد آن چیست۔ آن زمان امواجِ انوارِ عشق ازدریای سینہٴ ہریک سربرمی زند۔ ایشان دربحرِ آشنائی آشناہامی کنند، ہرآئینہ طالبِ آشنا دست وپامی بزند۔ قدرِاین سخن دریادلی داندکہ اوراروزی بربرچشمہٴ سرگذری بودہ باشد۔ بیت:

چشمہٴ عشق ازبصحرائے ظہور آید پدید

یک حبابِ اوبنا شد چارجوی ہشت باغ

فصل۔ یک معنی عین چشمہ ایست کہ ازکوہسارِ بلاترشح می کند و جریانِ او برکشت زارِ دلہای زارمی باشد۔ ہرگیاہی کہ بہ مدِآن

بھی اونٹوں پر سماع کے اثرات کے بہت سے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔(لکھا ہے) بعض جگہوں اور شکارگاہ کے میدان میں ایک جماعت کو سازوں کے ساتھ کھڑا کردیتے تھے کہ وہ کوئی چیز گائے، تاکہ اس کی صدا جس کے کان میں پڑجائے، اس کے اندر ولولہ پیدا ہوجائے۔ بیان کرتے ہیں کہ ایسا ہی واقع ہوتا تھا اور یہ بات تو بے حد مشہور ہے کہ جوں ہی کسی ہرن کے کان میں اس گانے کی آواز پہنچتی تھی اس کے دل سے صبر رخصت ہوجاتا اور وہ بے اختیار ہوکر پیر کوٹتا ہوا اپنے قاتل قبیلے کے نزدیک پہنچ جاتا تھا۔ اسے اپنے قید یا شکار ہونے کا کوئی خوف نہ ہوتا۔ سبحان اللہ! چوپایوں کو یہ نعمت حاصل ہو اور بعضے انسان اس نعمت سے محروم و بے نصیب رہیں۔ معلوم نہیں کہ اس آیت کا اطلاق کن لوگوں پر صادق آتا ہے، اولٰک کالا نعام بل ھم اضل(۹)

نکتہ: اہل سماع جو رقص میں ہوتے ہیں اور ان کی حرکت و حالات جو مشاہدے میں آتے ہیں، کیا ہے؟۔ اس وقت (رقص کرنے والے) ہر فرد کے دریائے سینہ سے انوارِ عشق کی موجیں زور شور سے اٹھتی ہیں، اور وہ بحرِ معرفت میں تیرنے لگتے ہیں، ناچار ہر طالبِ دوست ہاتھ پیر مارتا ہے۔ ان اشارات کی قدر و قیمت وہ دریا دل جانتا ہے جس کا گزر سر چشمۂ روح پر ہوچکا ہو۔ بیت:

چشمۂ عشق از بصحرائے ظہور آید پدید
یک حبابِ او نباشد چار جوئے ہشت باغ

ترجمہ: عشق کا چشمہ ظہور کے صحرا سے نمودار ہوا ہے۔ اس کا ایک حباب ہشت باغ کی چار نہروں پر برتری رکھتا ہے۔

فصل۔ عین کے ایک معنی چشمہ ہیں جس کا منبع کوہِ بلا ہے اور جو غم زدہ دلوں کی کھیتی کو سیراب کرتا ہے۔ ہر سبزہ جو اس چشمے کی بدولت

چشمہ از صحنِ سینہ بیرون می دمد، آن را شمشیری پندار کہ شکوہِ او از تیغ کوہ قوی تر است۔ مردی باید کہ درین کوہ فرہاد وار درکاو کاو طلب باشد۔ ای فرہاد تو درین کوہ چشمۂ دردجوی تو گیا ہی جوی شیریں۔ جوی شیرین راہم بہ شیرین گذار ترا با شربتِ تلخ گوارِ ہجران می باید ساخت۔ این چہ غلط است کہ مجاورتِ شرین رادر زخمِ تیشہ کشیدہ، این کہ دست بہ تیشہ زدۂ تیشہ آنست کی بہ پای خودمی زنی باش تا فرستادۂ پرویز تیغِ زبان درتو کشد و کارِ تو بدان تیغ و تیشہ تمام کند۔ بیت:

بس عاشقان کہ تشنہ بکویش فرو شدند

آبی نہ یافتند جز آن تیغِ آب دار

نکتہ۔ مہتر خضر را صلوۃ اللہ و سلامہ چشمہ دادند اما در تاریکی۔ عاشقانِ راہِ او را باش کہ چشمہ یافتند کہ عین روشنای است، کانھا کوکب درّی ای خضر از ان چشمہ کہ تو یافتی نتوانستی کہ قطرۂ بسکندر دہی، اما عشاقِ این راہ ازین چشمۂ معرفت کہ بدیشان رسید اقداحِ مالا مال درکام کمال اصحابِ حال ریختہ۔ ای خضر اگر تو بدان چشمہ عمر ابدی یافتی کہ تا قیامت زندہ خواہی ماند ایشان از ان چشمہ عشق سرمدی یافتند کہ ہمہ عمر ختۂ تیغِ بلا وکشتۂ شمشیرِ ولاء مولیٰ خواہند بود۔ بیت:

ای درتنِ مسکینان از تیغ تو جانی نو

افتد کہ برین کشتہ زخمی دگر اندازی

نکتہ۔ ہر پاک رو کہ قدم بر جادۂ محبت نہد و خواہد کہ بر سجادۂ وداد نمازِ اتحاد تمام کند اوّل اورا

سینے کے صحن سے پیدا ہوتا ہے، اسے ایسی تلوار خیال کرو جس کی کاٹ پہاڑ کی چوٹی سے زیادہ قوی ہے۔ حوصلہ چاہیے کہ اس پہاڑ میں فرہاد کی طرح سختیاں جھیلے۔ اے فرہاد تجھے اس پہاڑ میں درد کا چشمہ تلاش کرنا چاہیے جب کہ تو جوئے شیریں کا سبزہ تلاش کر رہا ہے۔ جوئے شیر کو شیریں کے لیے چھوڑ، تجھے شربتِ تلخ سے فراق کے دنوں کو گوارا کرنا ہے یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ تو نے شیریں کے قرب کو تیشے کے زخم میں ڈھال لیا ہے اور تیشہ ہاتھ میں پکڑ لیا۔ تیشہ وہ ہے جو اپنے پیروں پر مارا جائے۔ (اس دن کا) انتظار کر جب پرویز کا قاصد تجھ پر زبان کی تلوار کھینچے گا اور اسی تلوار و تیشے سے تیرا کام تمام کرے گا۔ بیت:

بس عاشقاں کہ تشنہ بکویش فروشدند
آبے نہ یافتند جز آں تیغِ آب دار

ترجمہ: بہت سے تشنہ عاشق اس کے کوچے میں آئے مگر انھیں تیغ آب دار کے سوا پانی نہ ملا

نکتہ: حضرت خضر صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ کو (حق تعالیٰ نے) چشمہ عطا فرمایا لیکن ظلمات میں۔ سنو! اس کی راہ میں عاشقوں کو (ایسا) چشمہ ارزانی ہوا جو عین روشنی ہے، کانھا کوکب دری (۱۰) (گویا ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے)۔ اے خضر! آپ اس چشمے سے جو عطا ہوا، ایک قطرہ سکندر کو نہ دے سکے لیکن اس راہ کے عاشقوں نے اس چشمۂ معرفت سے جو انھیں عنایت ہوا، مالا مال پیالے اصحابِ حال کے منہ میں انڈیل دیے۔ اے خضر! آپ نے اس چشمے سے ابدی عمر حاصل کی کہ قیامت تک زندہ رہیں۔ انھوں نے اس چشمے سے عشق سرمدی پایا کہ تمام عمر تیغِ بلا سے گھایل رہیں اور ولائے مولیٰ کی شمشیر سے مارے جائیں بیت:

اے درتنِ مسکیناں از تیغِ تو جانے نو
افتد کہ بریں کشتہ زخمے دگر اندازی

ترجمہ: تیری تلوار سے مسکینوں کے جسم کو حیات تازہ ملتی ہے۔ اے کاش ایسا ہو کہ تو ان کشتوں پر دوسرا وار کرے۔

نکتہ: جو پاک رو راہِ محبت میں قدم رکھے اور یہ چاہے کہ دوستی کے سجادے پر نماز اتحاد ادا کرے اسے پہلے

غسل در چشمۂ عشق باید کرد، واز جوی خون وضو باید ساخت۔ حکایت وانچہ حسین منصور حلاّج رابر آویختند چون آن مستِ سیر کرار بکمند مار پیچ برسردار برآویزدند چنین گویند، خونی کہ از اعضای مبارکِ اوجدامی شد اوبدان توضی می کرد۔ نظار گیان گفتنداین چیست گفت، ہذہ صلوٰۃ العاشقین لایجوز الاّ بوضوودم نفسہ۔

نکتہ۔ آنان کہ متعطشِ چشمۂ عشق اند، ایشان مستغرقِ دریای کرامت اند۔ انچہ ایشان ازان چشمہ تجرع کنند ہوشیاران کوی سلامت راازان بہرہ نباشد۔ اربابِ ظاہراین معنی رامنکر اند، گویند کار تحصیل وتعلیم دارد۔ سبیل کار بحث وتکرار است۔ آری علوی این وغایت ونہایتِ آن مقرراست، امّا اصحابِ درسِ عشق بدین گفتگو رسیدہ اندو بقدم پایہ بالاتر گرفتہ۔ چون ظاہر بینان را ترقی درجاتِ ایشان نظر نیفتد لاجرم انکار آرندوآن مقامات راتسلیم نہ کنند۔ نظیراین چگونہ باشد۔

نکتہ۔ مثلاً بادشاہی باشدوآن پادشاہ راباغی بود، درغایت نزاہت و لطافت۔ واشجار و اغصانِ آن باغ من کل الثمرات آراستہ، پس آن بادشاہ خواصِ خودرادر آن باغ حاضر گرداند ہرآئینہ آن خواص برعوام مفصل باشد پس آن باغ

چشمۂ عشق میں غسل کرنا، اور جوئے خون سے وضو کرنا چاہیے۔

حکایت۔ (مخالفوں نے) حسین منصور حلاّج کو سولی دی۔ جب وہ راہ عشق کے مست(۱۱)،
بل دار کمند کے ساتھ سولی پر لٹکائے گئے، کہتے ہیں کہ ان کے اعضائے مبارک سے خون بہا
منصور نے اس سے وضو کیا۔ دیکھنے والوں نے دریافت کیا، یہ کیا ہے؟ منصور نے کہا کہ یہ
عاشقوں کی نماز ہے جو اپنے خون سے وضو کیے بغیر جایز نہیں۔

نکتہ۔ جو لوگ چشمۂ عشق کے پیاسے ہیں وہ دریائے کرامت میں غرق رہتے ہیں۔ یہ
لوگ جتنا کچھ اس چشمے سے پیتے ہیں، سلامتی کے کوچے میں رہنے والے ہوشیار اس سے محروم
رہتے ہیں۔ اہل ظاہر اس حقیقی یافت کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ اصل کام تحصیل وتعلیم اور بحث
وگفتگو ہے۔ ایک درجے میں یہ بات درست ہے، تحصیل وتعلیم کی اہمیت اور بحث وتکرار کا مقصد
اور دائرہ مقرر ہے لیکن اصحابِ درسِ عشق اس مقام سے گزر کر اس سے بلند تر مقام پر پہنچے
ہیں۔ چوں کہ اہل ظاہر کی نظر ان کے درجات کی بلندی تک نہیں پہنچتی اس لیے ناچار ان کا انکار
کرتے ہیں اور ان مقامات کو تسلیم نہیں کرتے۔ تسلیم کریں بھی تو کیسے کریں (وہ اس کے اہل ہی
نہیں)۔ ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔

نکتہ: مثال کے طور پر ایک بادشاہ ہے، اس کا ایک باغ ہے نہایت نفیس ولطیف۔ اس باغ
کے درخت اور روشیں ہر قسم کے پھلوں سے آراستہ ہیں۔ بادشاہ اپنے خاص امیروں کو اس باغ
میں حاضر ہونے کا حکم دیتا ہے۔ چوں کہ وہ خواص، عام لوگوں کی جگہ سے علاحدہ ہوتے ہیں
اس لیے وہ باغ

خلوت خانہ باشد، بادشاہ آنجا حاضر باشد، سایۂ رحمت بسیط وچشمۂ مرحمت روان۔ وچشم نامحرم ازان بزم گاہِ عالی جاہ محروم، پس آن بادشاہ بعضی ازان خواص را کہ خاص الخاص باشد دران خلوت خانہ بطلبد و بشرفِ مجاورۃ ومکالمہ مشرف گرداند۔ ودران سایہ کہ ظلاً ظلیلا صفت آن است جای دہد۔ ازان چشمہ کہ عیناً یشرب بھاالمقربون عبارت ازان است شربتِ قرب درکام وقت ایشان چکاند۔ چگوئی کہ اینان فاضل تریا آنان کہ برآن گل ومیوہ مشغول بودہ باشند۔ این تمثیل از آفتاب روشن تراست، پس اگر اصحابِ باغ باعوام ملاقی شوندوگویند کہ درباغ مابودیم گفتہ باشند، زیراکہ ایشان راازان طائفہ روش نبود کہ درمنزلِ قرب جایافتہ بودند بہ ملک درمقعدِ صدق مقام گرفتہ، فی مقعدِ صدقٍ عندملیکٍ مقتدر۔

نکتہ ۔سبحان اللہ !سخن عشق راچاشنیِ دیگر است، اگرچہ اربابِ فضل واصحابِ علم درصحرای بیان جوی معانی روان کردہ اند، اماچشمۂ عشق آبِ دیگردارد۔قلم چون غواص دریای عبارت بسرِ چشمۂ عشق رسد، از جولان زدنِ تصرف وتکلف باز ایستد و نداند کہ چگونہ می باید رفت وچہ می باید کرد۔ محبِ تیز درنظرِ محبوب ہستیِ خودراگم کندوقول وفعلِ اودران حال از جادہ

مقامِ خلوت ہے۔ بادشاہ وہاں آتا ہے۔ (اس کی) رحمت کا سایہ چھا جاتا اور مرحمت کا چشمہ بہنے لگتا ہے۔ اور نامحرموں کی آنکھیں اس عالی مرتبہ بزم کی دید سے محروم رہتی ہیں۔ بادشاہ ان خواص میں سے بعض خاص الخاص لوگوں کو اپنی خلوت میں طلب کرتا ہے اور انھیں اپنے قرب وکلام سے مشرف فرماتا ہے اور اس سایے میں جس کی صفت ''ظلاً ظلیلا'' (۱۲) (گھنی چھاؤں) ہے جگہ دیتا ہے۔ اس چشمے سے جو عینا یشرب بھا المقربون (۱۳) سے عبارت ہے، ان کے حلق میں شربت قرب ٹپکاتا ہے۔ اب تم خود فیصلہ کرلو کہ یہہ (خاص الخاص مصاحب) بڑے رتبے کے ہیں یا وہ جو باغ کے پھولوں اور پھلوں میں مشغول ہیں۔ یہہ تمثیل آفتاب سے زیادہ روشن ہے، چناں چہ اگر باغ والوں کی عام لوگوں سے ملاقات ہو اور وہ یہہ کہیں کہ ہم باغ میں تھے تو ایسا کہہ سکتے ہیں لیکن ان کا رتبہ اس گروہ کے لوگوں جیسا نہ تھا جنھیں منزل قرب میں جگہ ملی تھی اور جو بادشاہ کی مصاحبت میں مقامِ صدق میں بیٹھے تھے، فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر (۱۴)

سبحان اللہ! عشق کی باتوں کا مزا ہی کچھ اور ہے، اگر چہ ارباب فضل اور اصحابِ علم نے صحرائے بیان میں معانی کی نہر جاری کی ہے لیکن چشمۂ عشق کا پانی کچھ اور ہے۔ قلم دریائے عبارت کے تیراک کی مانند جب چشمۂ عشق کے کنارے پہنچتا ہے تو تصرف وتکلف کی جولانی سے رک کر کھڑا رہ جاتا ہے اور نہیں جانتا کہ کس طرح آگے بڑھنا یا کیا کرنا چاہیے۔ عاشقِ چالاک اپنے وجود کو نگاہِ محبوب میں گم کر دیتا ہے۔ اس حالت میں اس کا قول وفعل

المستقامت یک سوافتد۔

نکتہ۔ مہتر موسیٰ صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ راخطاب آمد، وما تلک بیمینک یا موسیٰ ۔جواب همیں قدر بسند بود کہ می گفتند، ایں عصاست چہ گفت، قال ہی عصای، این عصای من است، اتو کوٴ علیھا، من تکیہ می کنم برآن واھش بھا غنمی وبرگ فرودمی آرم بدان برای گوسفندانِ خود، ولی فیھا مارب اُخریٰ، ومرادروحاجتہا دیگر است۔ای موسیٰ از تو چندین کہ می پرسید، جزی از تو پرسید ند فصلی فروخواندی یک سخن درگوشِ توبرسید زبان بچندیں جواب بکشادی۔ ہنوز ازبی زبانی گلہ می کنی واحلل عقدۃً من لسانی۔

نکتہ۔ عاشق چوں ذرغلیاتِ عشق اگر یک سخن ازمعشوق بشنود بیش نداند کہ چہ می گوید۔ موسیٰ راجام کلام، وکلم اللہ موسیٰ تکلیماً، چنان اثر کرد کہ زمامِ ضبط وعنانِ تمسک ازدست برفت۔آ نکہ ازشنیدنِ گفتار بدین حالت شود، طاقتِ دیدنِ دیدار کجا آرد۔بیت:

طاقت دیدنِ رخِ تو کراست
من مسکین شنیدہ حیرانم

مہتر موسیٰ علیہ السلام درتیہ حیرت متحیر ماندہ بود۔ زبانِ عنایت درگوشِ ہوش فروخواند کہ پسرِ عمران بسرِ عماناتِ محبت رسیدہٴ اینک سرچشمہٴ عشق این شربتِ خاص است کہ ترامی دہند۔این رابدان چشمہٴ عام قیاس مکن فانفجرت

استقامت کے راستے سے ہٹ جاتا ہے۔

نکتہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی، وما تلک بیمینک یا موسیٰ (۱۵)(اور یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ) اسکا مناسب جواب یہی تھا کہ عرض کرتے یہ عصا ہے (لیکن) کیا عرض کیا؟ قال ہی عصای (۱۶) (انھوں نے کہا یہ میری لاٹھی ہے) اتو کوعلیھا (۱۷) (میں کبھی سہارا لگاتا ہوں) واھش بھاعلیٰ غنمی (۱۸) (اور کبھی اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں) ولی فیھا مارب اُخری (۱۹) (اور اس میں اور بھی کام (نکلتے ہیں)۔ اے موسیٰ آپ سے اتنی باتیں کس نے پوچھی تھیں؟ آپ سے ایک جز دریافت کیا تھا جواب میں آپ نے ایک فصل بیان کردی۔ (محبوب کی صرف) ایک بات آپ کے کان میں پہنچی، آپ نے ڈھیروں جواب کے لیے زبان کھول دی اور پھر بے زبانی کا گلہ بھی کرتے ہو کہ واحلل عقدۃً من لسانی (۲۰) (اور میری زبان سے بستگی ہٹا دیجے)

نکتہ۔ عاشق جب جوشِ عشق میں معشوق کی ایک بات سنتا ہے تو ہکا بکا رہ جاتا ہے کہ (معشوق) کیا کہہ رہا ہے۔ موسیٰ (علیہ السلام) کی ذات میں وکلّم اللہ موسیٰ تکلیما (۲۱) کے جامِ کلام نے اس قدر اثر کیا کہ ضبط وقرار کی لگام ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئی جب محبوب کی باتیں سننے سے یہہ حالت ہوجاتی ہے تو محبوب کے دیدار کی طاقت کہاں سے پیدا کی جائے۔ بیت:

طاقتِ دیدنِ رخِ تو کراست
منِ مسکیں شنیدہ حیرانم

ترجمہ: تیرا رخ دیکھنے کی تاب کسے ہے۔ میں غریب تو سن کر ہی حیران ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بیابان حیرت میں متحیر ہوگئے تھے۔ زبانِ عنایت نے ان کے گوشِ ہوش میں پھونکا، اے ابن عمران آپ محبت کی بستیوں کے کنارے پہنچ گئے ہیں، اب چشمۂ عشق کے کنارے یہ شربت خاص آپ کو عطا کرتے ہیں اسے چشمۂ عام پر قیاس نہ کیجئے۔ فانفجرت

منہ اثنتیٰ عشر عیناً قد علم کل اناس مشربہم۔

نکتہ: ای موسیٰ چون از چشمہ ٔ مودّتِ ما سیراب شدی ترا ہم از حجر آب دہم واز ہم شجر آتش۔ ہرچہ خواہی از ما خواہ، ہرچہ طلبی از ما طلب۔ قدم از طلب درراہِ تعب نہ، نہال از سایۂ مجاورتِ شیب بیرون آر کہ میوۂ محبت جز درآفتابِ عشق پختہ نمی شود۔

فصل۔ یک معنی عین آفتاب است۔ عشق آفتابی است کہ زوالی ندارد۔ این آفتاب بروزنِ دل ہرکہ گذرداشت ذرۂ ازہستیِ اوباقی نگذاشت این آفتابی است کہ طلوعِ اواز فلکِ درد است وغروبِ او دردل دردمندان، ہرسوختہ تابِ این نیارد و عیسیٰ صفتی باید کہ ہم صحبتی این آفتاب تواند کرد۔

نکتہ۔ آفتابِ عشق رانوری است تمام، ناتمامان سرنتو انند دہد، ای آفتاب درتو ہمہ صفاتِ عشق دیدہ می شود وعلاماتِ محبت معائنہ می افتد، سوزی کہ درتست از تفِ عشق نشان دارد۔ این معنی راہم زردیِ روی تو درروی تو گواہی می دہد، مگرتو عاشقی۔ گفت آری من عاشقم۔ ای آفتاب توعاشقِ کیستی۔ گفت من عاشقِ دریا ام، نہ بینی کہ فرو شدنِ من ہمانجاست، تغرب فی عین حمئۃ۔ ای آفتاب درفروشدن چرامی لرزی۔ گفت چرانہ لرزم ہربامداد درہوای این محبوب پیراہنِ صبح برخودمی درم ودیوانہ وار ازکونہ

منہ اثنتیٰ عشر عینا قد علم کل اُناس مشربھم ۔ (۲۲)

نکتہ۔اے موسیٰ جب آپ ہماری دوستی کے چشمے سے سیراب ہو گئے تو ہم بھی آپ کو پتھر سے پانی اور درخت سے آگ عنایت کرتے ہیں۔جو کچھ چاہتے ہیں ہم سے چاہیں اور جو کچھ طلب کرنا ہے ہم سے طلب کریں۔طلب کے جذبے سے اپنا قدم رنج کے راستے میں رکھیں۔تازہ پودے کو نشیب کے سایے سے باہر نکالیں کیوں کہ محبت کا پھل آفتابِ عشق کے بغیر نہیں پکتا۔

فصل۔عین کے ایک معنی آفتاب ہیں۔عشق ایسا آفتاب ہے جسے زوال نہیں ہے۔یہ آفتاب ہر اس شے کو جو روزنِ دل سے، دل میں جاگزیں ہوتی ہے، اس کے ایک ایک ذرّے کو دل کی ہم نشینی کے لیے باقی نہیں چھوڑتا۔یہ ایسا آفتاب ہے جو افقِ درد سے طلوع ہوتا ہے اور دردمندوں کے دلوں میں غروب ہوتا ہے۔ہر سوختہ جاں اس کی تاب نہیں لاتا عیسیٰ صفت دردمند چاہیے جو اس کی صحبت میں رہ سکے۔

نکتہ: آفتابِ عشق کو ایسا نورِ کامل ودیعت ہوا ہے جو ناقصوں کو کامل بناتا ہے۔اے آفتاب، تجھ میں عشق کی تمام صفتوں اور محبت کی نشانیوں کا مشاہدہ ہوتا ہے۔تجھ میں جو سوز ہے وہ تپشِ عشق کی علامت ہے۔تیرے چہرے کی زردی بھی اس حقیقت کی گواہی دیتی ہے کہ شاید تو بھی عاشق ہے،''ہاں میں عاشق ہوں'' اے آفتاب! تو کس کا عاشق ہے؟'' میں دریا کا عاشق ہوں، کیا تم نہیں دیکھتے کہ میرا غروب وہیں ہوتا ہے، تغرب فی عین حمئۃ (۲۳)(ایک سیاہ رنگ کے پانی میں ڈوبتا ہوا دکھلائی دیا)۔اے آفتاب تو غروب ہوتے وقت کیوں لرزتا ہے،'' کیوں نہ لرزوں، ہر صبح اس محبوب کی تمنا میں اپنے آپ پر لباس صبح چاک کرتا ہوں اور دیوانہ وار

گرفتہ و سروپا یکی کردہ روی درصحرای فلک می نہم۔ نمازِ دیگر کہ وقتِ وصال قریب می شود، از دہشتِ قربت لرزہ درمن می افتد۔ مصرع:

نزدیکان را بیش بود حیرانی

ای آفتاب باچندیں گرمی کہ تو داری، دریارادوست گرفتہٴ و درعشق او ہمہ تن مہر شدہٴ درو ہیچ گوہرِ وفا بینی۔ گفت نی، عجب ترآ نکہ ہر چہ درمن نوراست دروی سوز است۔ ہر چندمن درقعرِ مودّتِ اوغوطہ می خورم ازوی ہمہ موجِ قہر سر برمی زند۔ ہر چندمن آتشِ سینہٴ خود دمادم فرومی ریزم اوقطرہٴ از جوشِ صلابت کم نمی کند۔او ہمہ عمر درتکبرّ ساکن ومن ہمہ سال درتحیرّ سرگرداں ۔آری ازمی این می آیدوازوی آن، قل کل یعمل علیٰ شاکلتہ

نکتہ۔ آفریدگارجلت قدرتہ وعلت حکمتہ ہرکسی رابرای جمع چیزی آفریدہ است۔ کل امرء لما خلق لہ۔ عاشق کہ شمعِ معرفتش ازنورِ ازل برافروختہ اند صد ہزار آفتاب پروانہ اوبند۔ اگر مدعی خواہد کہ پروانہٴ تزویر دردیوانِ این دولت راہ یابد، کی میسر شود۔ قل کل یعمل علیٰ شاکلتہ۔

نکتہ۔ خاربسیار خواہد کہ چون گل حیات بتازہ روی عمر بہ نرم خوئی گذراند، امّا چون خارخار آزاردروجودِ او موجود کردہ اند، برگِ این دولتش ازکجا باشد۔ ماربسیار خواہد کہ بشکرآب دہد امّا چون کفچہٴ اورا ازسکرات چاشنی دادہ اند شکرآب ازکجا تواند بود۔

ایک کنارہ پکڑے، سرکو پیر بنا کر بیابانِ فلک طے کرتا ہوں۔ نمازِ عصر کے وقت جب ساعتِ وصال قریب آتی ہے تو قربت کی دہشت سے مجھ پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے ؎

نزدیکاں را بیش بود حیرانی

ترجمہ: اہل قرب ہی زیادہ حیرت زدہ ہوتے ہیں۔

اے آفتاب! اس قدر حرارت کے باوجود جو تجھ میں موجود ہے، تو نے دریا سے دوستی کی ہے اور اس کے عشق میں سراپا محبت ہو گیا ہے۔ تو نے اس میں کچھ جوہرِ وفا دیکھا۔ ''بالکل نہیں، عجیب تر بات یہ ہے کہ جو شے مجھ میں نور ہے وہی دریا میں سوز ہو گئی ہے۔ میں جس قدر دوستی کی تہہ میں غوطہ لگاتا ہوں اسی قدر قہر کی موجیں اس سے سر اٹھاتی ہیں۔ میں جس قدر پے در پے اپنے سینے سے آگ نکالتا ہوں اسی قدر دریا کی سنگینی کا جوش بڑھتا جاتا ہے وہ تمام وقت اپنے غرور پر قایم ہے اور میں ہر وقت حیرت میں سرگرداں رہتا ہوں۔

مجھ سے یہی کچھ بن پڑتا ہے اور اس سے وہی کچھ ظہور میں آتا ہے، قل کل یعمل علی شاکلتہ (۲۴)'' (آپ فرما دیجیے کہ ہر شخص اپنے طریقے سے کام کر رہا ہے)

نکتہ: خالقِ کائنات جلت قدرتہ، وعلت حکمتہ، نے ہر فرد کو کسی شے کے حصول کے لیے پیدا کیا ہے، کل امرء لما خلق لہ (ہر آدمی کو جس چیز کے لیے پیدا کیا گیا ہے وہ وہی کرتا ہے)۔ وہ عاشق جس کی شمعِ معرفت کو نورِ ازل سے روشن کیا گیا ہے، لاکھوں آفتاب اس کے پروانے ہیں، اگر فریقِ مخالف یہہ چاہے کہ اس سلطنت کے دفتر میں مکر کا پروانہ قبول کر لیا جائے تو یہ کس طرح ممکن ہے، قل کل یعمل علی شاکلتہ۔

نکتہ: کانٹا چاہتا ہے کہ پھول کی طرح تازگی کی زندگی بسر کرے اور نرم خوئی سے عمر گزارے لیکن چوں کہ آزار کا خلجان اس کے وجود میں رکھ دیا گیا ہے، یہ دولت اسے کہاں سے دستیاب ہو سکتی ہے (یا زہریلا) سانپ چاہتا ہے کہ (انسان سے) شکر رنجی ختم کر دے لیکن چوں کہ اس کے پھن میں موت کی تکلیف کا ذائقہ رکھ دیا گیا ہے تو (زہر) آبِ شیریں کیسے ہو جائے گا۔

هر کسی آن کند کزوآید

قل کل یعمل علے شاکلتہ۔

نکتہ۔ انوارِ این معنی کہ ازشیت کہ آفتاب متلاشی می شود۔ آفتاب کہ حرفی از کلمۂ عشق است، چندیں حروف درو مصروف شد۔ باز آیم برسرِ حروف، آفتاب اگر چہ صفتِ عاشقی دارد، واوصافِ معشوقی نیز درو می تواں یافت۔ آفتاب اگرچہ عاشقِ دریاست، معشوقِ حرباست۔ ای حربا! تو کیائی کہ عاشقِ آفتاب باشی۔ اودران جلال بجلوۂ جمالِ خود مشغول تو بزاویۂ ادبار وخرابۂ محنت، برسرِ خارے برآمدہ، وچشم برگل رخسارۂ اوداشتہ، ونظر بر منظرِ آراستۂ اوگماشتۂ۔ وزمان زمان در مقابلہ فراوان مراد حالی بحالی می کردی وازرنگی برنگی می شوی۔ چکنیم سلطانِ عشق سراپردۂ عزت درصحرای سینہ منِ خاکسار نصب کرد۔ مرا یارای آن نہ کہ بساطِ قربتِ معشوق بقدمِ انبساط بسپرم کم ازانکہ از دور برسجادۂ استطاعت سجدۂ طاعتی بجا آرم۔ بیت:

پنہان مشوکہ خواہم نظارۂ زدور
تا آنکہ زافتابی ہم یک نظر رسد

نکتہ۔ بی چارہ عاشق کہ دستِ طلب او ازدامانِ مراد کوتاہ باشدوراہِ رجای او بر سمتِ مقصود مسدود، ازگلزارِ وصلتِ دوست بہ نسیمی قانع شود و از آفتابِ طلعتِ او بنظارۂ راضی چنانکہ حربا نتواست تابذاتِ آفتاب رسد، ہم بصفاتِ او دل خوش کرد بہ پرتوی

ہرکسے آں کند کزو آید
(ہرشخص وہی کرتا ہے جو اس سے ہوسکتا ہے)

قل کل یعمل علی شاکلتہ

نکتہ: اس معنی کے انوار جن کے چھینٹوں سے آفتاب معدوم ہوجاتا ہے۔ آفتاب جو لفظ عشق کا ایک حرف ہے، اس کی شرح میں اتنے حروف تحریر کیے گئے۔ ہم پھر سلسلۂ کلام کی طرف آتے ہیں۔

آفتاب اگر چہ ایک عاشق کی صفت رکھتا ہے تاہم اس میں معشوق کے اوصاف بھی تلاش کیے جاسکتے ہیں۔ آفتاب ایک طرف عاشقِ دریا ہے تو دوسری طرف دراز دم (گرگٹ) کا محبوب ہے۔

اے دراز دم! تیری کیا حیثیت ہے کہ آفتاب کے عاشق ہونے کا دعویٰ کرے۔ آفتاب بارگاہِ جلال میں اپنے جمال کے مشاہدے میں محو ہے اور تو بدبختی کے گوشے اور رنج کے ویرانے سے نوک خار پر باہر نکلا ہے اور اپنی آنکھ اس کے گلِ رخسار پر جمائے ہوئے اور نظر اس آراستہ منظر پر ٹھہرائے ہوئے ہے۔ تو پے بہ پے بہت سی مرادوں کے اثر سے ایک حال پر قایم نہیں رہتا اور نئے نئے رنگ بدلتا رہتا ہے۔

کیا کروں، بادشاہِ عشق نے خیمۂ عزت مجھ خاکسار کے سینے کے صحرا میں گاڑ دیا ہے۔ میری یہ مجال نہیں کہ انبساط کے قدم سے معشوق کی قربت کا فرش طے کرسکوں، بس یہی کرسکتا ہوں کہ دور سے مقدرت کے سجادے پر بندگی کا سجدہ بجالاؤں۔ بیت:

پنہاں مشوکہ خواہم نظارۂ زدور
تاآنکہ زآفتابے ہم یک نظر رسد

(مجھ سے پنہاں نہ ہو میں دور سے تیرے نظارے کا آرزومند ہوں کہ شاید کسی وقت اس آفتاب کی ایک نظر ہی مجھ پر پڑ جائے۔)

نکتہ: بے چارہ عاشق کہ اس کا دستِ طلب دامنِ مراد سے چھوٹا ہے اور اس کی راہِ امید مقصود کی جانب بند کردی گئی ہے، محبوب کے گلزارِ وصال کی نسیم پر قناعت کرتا اور اس کے آفتابِ طلعت کے نظارے سے مطمئن ہوجاتا ہے۔ دراز دم بھی آفتاب کی ذات تک نہیں پہنچ پاتا تو اس کی صفات سے دل خوش کرتا ہے۔ اسے اس سائے سے

کہ اثرِ قربتِ اوداشت بیارمید، آفتاب نیز اگرچہ اورا بہ تفِ بعد بگداخت بنورِ نظرش بنواخت۔ ای درویش بکمال کرم و وفورِ نعم او را باش اگر ازانجا کہ توی ئست نشانِ بعددارد، امّا ازانجا کہ رحمتِ اوست بہ تو نزدیک است واذا سا لک عبادِی عنّی فانی قریب۔

نکتہ۔چنانچہ حربا عاشقِ آفتاب است، آن صوفیِ کبود پوش کہ نیلوفر نام دارد و در عشقِ آفتاب خرقہ بازی می کند۔ نہ بنی کہ ببرکتِ قدمِ عشق سجادہ برروی آب انداختہ است۔ ای نیلوفر تواین کرامت ہا ازکجا یافتی؟ مرانیز پیرِ عشق رواکردہ است من ارادتی کہ بہ پیرِ عشق دارم وسکونت بصفتِ صدق، معشوق درنظرِ من نیز آفتاب است لاجرم ازنظرِاو برآب خود ماندہ أم۔ ہرروز کہ آن سلطانِ یک سوار راتیغ کرشمہ انداختہ درمیانِ سرِ باختری بینم، سر برآب اندازم۔بیت:

باز آ کہ درین میدان کس نیست بغیرِ تو
شمشیر زدن از تو، ازمن سپر اندازی

ہمہ روز درشکل اوحیران می باشم وورشمایل اومایل۔ شب راچوں او رایاتِ عالم کشای خود بہ خم خانۂ مغرب بردمن گردِ خیمۂ خون آلودۂ خود را فراہم گیرم و ہمہ شب پردۂ اوراق برروی خودفرازکنم وبی آن چشمۂ نور تاصبح چشم بازنکنم۔

نکتہ۔ای نیلوفر! ماہ نایبِ آفتاب است۔ ہمہ روز بہ انوارِ آفتاب می سازی

جو آفتاب کی قربت کا اثر رکھتا ہے، آرام آ گیا۔ آفتاب نے بھی اگرچہ اسے دوری کی تپش سے پگھلایا (بالآخر) اپنے نورِ نظر سے نوازا۔ اے درویش اس کے کمالِ کرم اور جوشِ بخشش کا انتظار کر۔ اگرچہ وہ تیرے حجاب کے باعث وہ تجھ سے دور ہے لیکن جہاں اس کی رحمت ہے وہ تجھ سے قریب ہے، واذا سالک عبادی عنی فانی قریب (۴۵)

نکتہ: جس طرح درازدم آفتاب کا عاشق ہے اسی طرح وہ نیلگوں لباس صوفی جسے نیلوفر کہتے ہیں آفتاب کے عشق میں خرقہ بازی کرتا ہے۔ تم نہیں دیکھتے کہ قدمِ عشق کی برکت سے اس نے پانی پر سجادہ بچھا دیا ہے۔

اے نیلوفر! تو نے یہ کرامتیں کہاں سے حاصل کیں، "یہ مجھے پیرِ عشق نے روا رکھی ہیں۔ میں پیرِ عشق سے ارادت رکھتا ہوں" اور صفتِ صدق کے ساتھ معشوق کی رفاقت میرے نزدیک آفتاب ہی ہے، اس لیے لازماً اس کی نظر کے سامنے خود دریا کی سطح پر رہتا ہوں۔ ہرروز جب میں اس یگانہ سوار بادشاہ کو تیغِ کرشمہ میان میں ڈالے ہوئے مشرق کے کنارے دیکھتا ہوں تو پانی میں سر ڈال دیتا ہوں۔ بیت:

باز آ کہ دریں میداں کس نیست بغیرِ تو
شمشیرزدن ازتو ازمن سپر اندازی

(اب باز آ کہ اس میدان میں تیرے سوا کوئی اور نہیں ہے، شمشیرزنی تجھ سے اور سپر ڈال دینا مجھ سے ہے)

تمام دن اس کی صورت پر حیران اور وضع پر مایل رہتا ہوں۔ رات کو جب وہ اپنے عالم کشا پرچموں کو مغرب کے شراب خانے میں لے جاتا ہے، میں اپنے خون آلودہ خیمے کی گرد اکھٹی کر لیتا ہوں اور تمام شب پتوں کے پردے اپنے چہرے ڈال لیتا ہوں اور اس چشمۂ نور کے بغیر آنکھ نہیں کھولتا۔"

نکتہ: اے نیلوفر! چاند آفتاب کا نائب ہے، تمام دن آفتاب کے انوار سے موافقت کرتا ہے۔

شب چرا با صورتِ ماہ عشق نبازی۔ معاذ اللہ! بہ مملکتِ عشق شرکت نباید۔ چشمی کہ بہ جمالِ محبوبی باز شد، باز نظرِ او ہیچ صیدی پرواز نکند۔ دلی کہ در عشقِ دل آرامی چاک شد، سرِ سوزنی بامددِ دیگران پیوند نگیرد۔ حکایت: شبلی را قدس اللہ سرہ العزیز، دختری بود پنج سالہ۔ روزی از ازراہِ ملاطفت باو گفت۔ دوست بابا، دختر جواب داد، من دوستِ اودوست۔ دو دوست در یک دل نہ نیکوست

حسن چوں عشق می ورزی چنیں برجان چہ می لرزی
بہ یک دل درنمی گنجد، غم جان و غم جانان

نیلوفر اگرچہ مستغرقِ دریای محبت است، اَمّا این محنتِ عشق کہ ذرّۂ سرگردان دارد نہ درنیلوفر تواں یافت نہ درحربا نیلوفر و حربا درغیبتِ آفتاب وجودِ خود را موجودی یابند، برخلاف ذرّہ کہ بقای او مقابلہ لقای محبوب است وبس ہر بامداد کہ آن زیباروی آفاق از مطلعِ حسن طالع گردد ہ ذرّۂ مسکین را بینی عاشق وار در ہوای معشوق رقص کنان پیدا می شود۔ شبان گاہ آن تاجورِ تختِ افلاک کہ خسروِ ستارگان نامِ اوست چون بسرحدِ غروب نزول کند و نشانۂ ناموسِ او در پردہ و حجب

تو رات کو چاند کی صورت سے عشق نہیں کرتا۔

''معاذ اللہ! مملکتِ عشق میں شرکت روا نہیں ہے، جو آنکھ محبوب کا جمال دیکھنے کے لیے کھل جاتی ہے اس کی نظر کسی شکار پر نہیں پڑتی، جو دل کسی دل آرام کے عشق میں چاک ہو گیا اسے غیروں کی مدد سے کوئی سوئی رفو نہیں کر سکتی۔''

حکایت۔ حضرت شبلی قدس اللہ سرہ العزیز کی ایک بیٹی تھی پانچ سالہ، ایک روز آپ نے اسے پیار سے دوست بابا کہا، بیٹی نے جواب دیا، میں اور اس کے دوست کی دوست، ایک دل میں دو دوستوں کا ہونا اچھی بات نہیں ہے۔ شعر:

حسن چوں عشق می ورزی چنیں بر جاں چہ می لرزی

بہ یک دل درنمی گنجد غمِ جان و غمِ جاناں

(اے حسن جب تو عشق کرتا ہے تو پھر جان کا کیا خوف کرتا ہے، ایک دل میں جان کا غم اور جاناں کا غم نہیں سما سکتے۔)

نیلوفر اگر چہ دریائے محبت میں غرق ہے لیکن وہ رنجِ عشق جو سرگرداں ذرہ رکھتا ہے نہ نیلوفر میں پایا جاتا ہے نہ درازدم میں۔ دونوں آفتاب کی غیر موجودگی میں اپنے وجود کو موجود محسوس کرتے ہیں۔ اس کے برعکس ذرّے کی بقا لقائے محبوب پر منحصر ہے، چناں چہ ہر صبح کو جب وہ آفاق کا زیبارو (آفتاب) مطلعِ حسن سے طلوع ہوتا ہے تو تم ذرۂ مسکیں کو دیکھتے ہو کہ معشوق کی آرزو میں رقص کرتا ہوا ظاہر ہوتا ہے۔ رات کے وقت وہ تختِ افلاک کا تاجدار جس کا نام ''خسروِ ستارگاں'' ہے جب غروب کی سرحد میں نزول کرتا ہے اور اس کے نشانِ ناموس کو پردوں میں

بدارند، نام ونشانِ ذرّہ درجهان نماند، مصرع:

باوجودت زمن آواز نیاید که منم

احسنت این که عشقی بصدق واتحادی بحق

نکتہ۔ عشق را مدارج و معارجِ فراوان است۔ ہر چہ رہ بجانان می برد پایۂ اعلیٰ ہمان است و ہر چہ غیرِ آن است، حاشا کہ مجلسِ نگون ساری مطلق حکم نتوان کرد۔ کمالِ محبت آن است کہ از دوست جز دوست نخواہد واگر این چنین نباشد معاملہ در پلۂ انصاف وزنی ندارد۔ وبسیار دوست ہا متفاوت می باشند، چنان کہ عشقِ ماہی و پروانہ۔

نکتہ۔ ماہی و پروانہ ہر دو عاشق اند۔ ماہی برآب عاشق است و پروانہ۔ برآتش۔ امّا درصدقِ عشقِ این دو عاشق تفاوت ہاست۔ ماہی در معنی عاشقِ جانِ خوداست زیرا کہ آب غذای اوست۔ ہرگاہ از آب جدا ماند بمیرد، امّا پروانہ ہم درمعنی وہم درصورت عاشقِ جانانِ خود است اگرچہ می داند کہ از قربتِ محبوب و وصلتِ معشوق سوختہ خواہد شد ہمچنان سوختہ وار خود را بر شمع میزند و جان را فدای دلداری کند۔ رباعی:

ای عشق شریفم شدہ آ کہ بی تو

این عمر چہ محنت است وہ وہ بی تو

یک لحظہ کہ درپیشِ تو میرم بہ ازان

صد سال زیم نعوذ باللہ بی تو

نکتہ۔ عشق نشانِ وحدت دارد

چھپا دیتے ہیں، تو ذرے کا نام ونشان تک دنیا میں باقی نہیں رہتا۔

باوجودت زمن آواز نیا یہ کہ منم

(تیرے وجود کی موجودگی میں میری ذات سے صدا نہیں آتی کہ "میں ہوں")

سبحان اللہ یہ ہے عشق کی سچائی اور حق کے ساتھ اس کا اتحاد۔

نکتہ: عشق کے بہت سے درجات اور زینے ہیں۔ جو راہ محبوب تک پہنچاتی ہے بلند تر درجہ اسی کا ہے اور جو کچھ اس کے علاوہ ہے، اس کے بارے میں معذرت خواہی بھی قابل قبول نہیں ہے۔ کمالِ محبت یہ ہے کہ دوست سے سوائے دوست کے کچھ نہ چاہے اور اگر ایسا نہیں تو انصاف کے پلڑے میں ایسی محبت کا کوئی وزن نہیں ہے۔ درجات کے اعتبار سے اکثر دوستوں میں فرق ہوتا ہے جیسے مچھلی اور پروانے کا عشق۔

نکتہ۔ مچھلی اور پروانہ دونوں عاشق ہیں۔ مچھلی پانی کی ہے اور پروانہ آگ کا عاشق ہے لیکن ان دونوں عاشقوں کے صدقِ عشق میں فرق ہے۔ مچھلی درحقیقت اپنی جان کی عاشق ہے کیوں کہ پانی ہی اس کی غذا ہے، جوں ہی پانی سے جدا ہوتی ہے مرجاتی ہے لیکن پروانہ ظاہری اور باطنی دونوں صورتوں میں اپنے محبوب کا عاشق ہے۔ اگر چہ جانتا ہے کہ محبوب کے قرب وصال سے جل جائے گا، (پھر بھی) سوختہ وار خود کو شمع پر گراتا ہے اور اپنی جان محبوب پر نثار کر دیتا ہے،

رباعی:

اے عشقِ شرفم شدہ آ کہِ بے تو (۲۶) ایں عمر چہ محنت است وہ وہ بے تو

یک لحظہ کہ درپیشِ تو میرم بہ ازاں صد سال زیم نعوذ باللہ بے تو

(اے عالی رتبہ عشق تیرے بغیر میں سراپا عیب ہو گیا ہوں اور تجھ بن میری زندگی مشکل اور قابل افسوس ہو گئی ہے۔

وہ ایک لحظہ کہ میں تیرے سامنے جان دے دوں اس سے بہتر ہے کہ نعوذ باللہ بغیر تیرے سو سال جیوں۔)

نکتہ: عشق وحدت کی علامت ہے۔

چنان کہ آفتاب ازکل کواکب وسیارات مستثنی است، عشق نیز از عالم یگانگی است۔ ہیچ حال بحالِ اونمی ماند۔ بسیارا وصاف عشق درآفتاب یافتہ می شود و بسیار صفاتِ آفتاب درعشق معائنہ می افتد۔ آفتاب راخاصیتی است کہ سنگ رالعل کند، آفتابِ عشق نیز چون ازمشرقِ محبت می برآید، چراغِ دیدۂ عشاق راما نندِ عقیق جگر خوردۂ لعل می سازد۔ وآفتاب رازرگری گویند، سبب آنکہ زراز کیمیای نظراوست۔ عشق ہم کیمیا است کہ بی غل وغش مسِ ہستی عاشق راعینِ زری گرداند۔

فصل۔ یک معنیِ عین زراست۔ عشق زری است کہ ازکانِ ''کن فیکون'' بیرون آمدہ است۔ پیوستہ مہر بمہر مُہزویان آراستہ شدہ است۔ ومسی کہ ازان زرِعشق سازند رواجِ آن درشہرآشنائی پیدامی شود۔ سکۂ اوبنامِ پادشاہاں می باشد کہ تاجِ ایشاں تارکِ مملکت باشدو رواجِ ایشان عدمِ عزت۔ یکی ازیشاں امیرِبلخ بود کہ ملکِ دنیا بتصحیف بروی تلخ شدوسلیمانِ عالم نزدیکِ اومقلوبِ زوم۔ بیت:

رزبنام شہ بود درشہر ہا
سکۂ این شہر یاران دیگر است

جس طرح آفتاب تمام ستاروں اور سیاروں سے ممتاز ہے اسی طرح عشق بھی عالمِ یکتائی سے ہے۔ کوئی حالت اس کے حال کے مثل نہیں ہے۔ عشق کے بہت سے اوصاف آفتاب میں پائے جاتے ہیں اور آفتاب کی بہت سی صفات عشق میں نظر آتی ہے۔ آفتاب کی ایک خاصیت یہہ ہے کہ پتھر کو لعل بنادیتا ہے۔ عشق کا آفتاب بھی جب مشرقِ محبت سے طلوع ہوتا ہے تو عاشقوں کی آنکھ کے دیے کو لعل کا جگر کھائے ہوئے عقیق کی مانند کردیتا ہے (عاشق کی آنکھیں رونے سے سرخ ہوجاتی ہیں)۔ آفتاب کو سونا بنانے والا بھی کہتے ہیں، سبب اس کا یہ ہے کہ اس کی نظر کی کیمیا سے سونا بنتا ہے۔ عشق بھی کیمیا ہے کہ بغیر ملاوٹ کے عاشق کے مسِ وجود کو اصلی سونا بنادیتا ہے۔

فصل: عین کے ایک معنی زر ہیں۔ عشق وہ زر ہے جو کن فیکون کی کان سے نکلا ہے۔ (یہ زر) ہمیشہ مہ رویوں کی محبت کی مُہر سے آراستہ رہتا ہے۔ وہ تانبا جس سے زرِ عشق بناتے ہیں اس کا رواج شہرِ آشنائی میں ہے۔ اس کا سکہ بادشاہوں پر (بھی) چلتا ہے کہ تاج وتخت چھوڑ دیتے ہیں اور (ہر طرح کی) عزّت سے دست کش ہوجاتے ہیں۔ انھی میں ایک سلطانِ بلخ تھے کہ تصحیف سے ملکِ دنیا ان پر تلخ ہوگیا اور سلیمانِ دنیا ان کے نزدیک روم کا اُلٹ (یعنی مور) ہوگیا۔ بیت:

زر بنام شہ بود در شہرہا
سکۂ ایں شہریاراں دیگر ست

بادشاہ کے نام کا سکۂ زر شہروں میں ہوتا ہے (لیکن ملکِ دل کے) ان شہریاروں کا سکہ دوسرا ہے۔

نکتہ۔ امتحانِ زر بآتش است وسنگ، تاعشاق در ہمہ عمر زرصفت گاہ بآتشِ بلادر گداز بودہ اندوگاہ بسنگِ ابتلا درشدت ۔گوہرکانِ آذرہم جنس آن بودولہذا بآتش امتحانش کردند، چون زرِچاشنیِ عشق داشت، عیارش سالم برآمد۔ یانارکونی برداً یا نارکونی برداً و سلاماً علیٰ ابراہیم۔ زرِوجودِ موسیٰ رابسنگِ امتحان،ولکن انظر الی الجبل امتحان کردند۔اوخودپیش ازان درذوقِ مکالمہ شوق عشق یافتہ بود، لاجرم برمحکِ اخلاص خلاصہ بیرون آمد انہ کانَ مخلصاً وکان رسولاً نبیا۔

ای درویش! تو قلبِ خودرا دردارِضربِ محبت سرہ کن۔ اوّل زرِمعاملہ خودرادر بوتہ نہ پس دم بدم جدی وَجہدی بنما، آنگاہ سکہ عشق بردلِ شکستہ زن تااین نقش درست برآید کہ اولئک کتب فی قلوبھم الایمان۔ ہرچہ ازآہن وازززیرسازندوانچہ ازمس ومثل آن پردازند، آن لطافت ظرافت ندارد کہ ساختہ زر، چراکہ زراثرِعشق دارد و رنگِ عاشقان۔ ہرچہ دعوی نشانِ عشق نیست نام اوازجریدۂ آفرینش پاک بہ، ہرقصہ کہ داستانِ عشق نیست آن را بدست نباید گرفت۔ ہرنامہ کہ بروعنوانِ عشق نیست بآبِ نسیان

نکتہ۔سونے کی جانچ آگ اور پتھر سے کی جاتی ہے۔عشاق بھی تمام زندگی سونے کی طرح کبھی مصیبت کی آگ میں پگھلتے ہیں اور کبھی سنگِ ابتلا کی سختی جھیلتے ہیں۔آذر کی کان کے گوہر (حضرت ابراہیمؑ) اس کے ہم جنس تھے لہٰذا امتحان کی آگ میں ڈال دیے گئے چوں کہ زرِ عشق کی چاشنی رکھتے تھے، کسوٹی پر پورے اترے۔ یا نارکونی برداً وسلاماً علیٰ ابراہیم (۲۷) (اے آگ تو ٹھنڈی اور بے گزند ہوجا ابراہیمؑ کے حق میں)

موسیٰؑ کے زرِ وجود کو پتھر سے جانچا گیا، ولکن انظر الی الجبل (۲۸) (لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو)۔ وہ خود اس سے قبل ذوقِ مکالمہ میں شوقِ عشق پا چکے تھے، لازمی طور پر پاک وصاف اخلاص کی کسوٹی پر درست نکلے انہ کان مخلصاً وکان رسولاً نبیاً (۲۹) (بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے خاص کیے ہوئے (بندے) تھے)

اے درویش تو اپنے قلب کو محبت کی ٹکسال میں خالص بنا۔سب سے پہلے اپنے زرِ معاملہ کو سونا پگھلانے والی کٹھالی میں ڈال پھر پے بہ پے جدو جہد کر بعدازاں عشق کے سکے ٹوٹے ہوے دل میں ڈھال تاکہ سکے پر اس کا نقش ٹھیک ٹھیک بیٹھ جائے کہ اولئک کتب فی قلوبھم الایمان (۳۰) (ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کردیا ہے)

جو چیز لوہے اور گھٹیا شے سے بناتے ہیں یا تانبے اور اس کی مثل دھاتوں سے آراستہ کرتے ہیں وہ سونے سے بنائی ہوئی چیز کی طرح لطافت ونفاست نہیں رکھتی کیوں کہ زر میں عشق کا اثر اور عاشقوں کا رنگ ہوتا ہے۔جس شے میں عشق کا اثر نہیں ہوتا، دفترِ آفرینش سے اس کا نام مٹ جانا بہتر ہے۔جس قصے (کی کتاب) میں عشق کی داستان نہ ہو اسے ہاتھ میں نہ لینا چاہیے۔ہر اس تحریر کو جس پر عشق کا عنوان نہیں اسے نسیان کے پانی سے

باید شست۔ مملکتِ دل بی پادشاہِ عشق مہمل و معطل است۔ بہر دل کہ عشق درونامۂ بادشاہ شد، مما لکِ آن جہان و این جہان درتحتِ تصرف آوردہ۔ بہر چہ آن پادشاہ مثال دہد، کمرِ امتثال برمیانِ جان باید بست۔ ہر چہ اشارتِ عقل است درو عقدہ بسیاراست، و ہر چہ تلقینِ طبع است دبدبہ ولومان یاراست۔ حکم معتبر حکم عشق است، ہر چہ عشق گوید درو چون و چرا نباید رفت۔ بی تامل مثالِ آنرا قبول باید کرد۔ و ہم چنیں صورتِ تست کہ اصلاحِ آں سری و این سری درو جمع است۔ حکایت۔ اہلِ دلی در راہی می رفت، جماعتی را دید کہ از پیش آمدند۔ از ایشاں پرسید کہ شما کجا بودہ اید۔ ایشاں گفتند کہ در تذکیرِ شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ بوذہ ایم۔ این سائل کہ این سخن بشنید در رقص شد۔ اورا گفتند، باری بپرس کہ او چہ گفت، گفت پرسیدن چہ حاجت است۔ من می دانم ہر چہ او گفتہ باشد خوب گفتہ باشد۔

نکتہ۔ اسرارِ عشق جز دلِ عاشق نداند، و رموز درو جز دلِ درد مند درک نہ کند. اشاراتِ عشق بغایت مشکل است و عباراتِ آن یکبارگی متعلق برسالہ کہ دبیر عشق پردازد، وہم عطارد و فہمِ مشتری از ادراکِ آن

دھودینا چاہیے۔ سلطانِ عشق کے بغیر سلطنت دل بے معنی اور بیکار ہے۔ ہراس دل میں جس میں بادشاہ کا فرمان عشق قرار دیا گیا ہو، یہ جہان اور وہ جہان اس کے تصرف میں ہوتے ہیں، پھر وہ بادشاہ جو حکم دے اس حکم کی بجا آوری کے لیے کمرِ جان باندھ لینی چاہیے۔

عقل جو حکم دیتی ہے (یعنی جس نتیجے پر پہنچتی ہے) اس میں بہت سے اشکال ہوتے ہیں اور انسان کی سرشت جو تعلیم دیتی ہے وہ دوست کا رعب اور بازیگری ہے (۳۱)۔ معتبر حکم تو عشق ہی کا حکم ہوتا ہے۔ عشق جو کچھ کہے اس میں چون وچرا نہیں کرنا چاہیے (بلکہ) بے تامل اس حکم کو مان لینا چاہیے۔ بس یہی تیرے لیے ایک صورت ہے جس میں اِس طرف اور اُس طرف (دنیا وآخرت) کی فلاح جمع ہیں۔

حکایت: ایک صاحبِ دل کسی رستے جارہا تھا۔ اس نے ایک جماعت کو دیکھا جو سامنے سے آرہی تھی۔ اس نے ان لوگوں سے دریافت کیا کہ تم لوگ کہاں سے آرہے ہو، انھوں نے جواب دیا کہ ہم شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کا وعظ سن کر آرہے ہیں۔ سوال کنندہ نے جیسے ہی یہ بات سنی رقص کرنے لگا۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ میاں یہہ بھی تو معلوم کرو کہ شیخ نے کیا فرمایا۔ اس نے کہا دریافت کرنے کی کیا ضرورت ہے، مجھے یقین ہے کہ انھوں نے جو کچھ فرمایا ہوگا خوب ہی فرمایا ہوگا۔

نکتہ: عاشق کے دل کے علاوہ عشق کے اسرار کوئی نہیں جانتا اور جو رموز اس میں ہوتے ہیں انھیں دردمند دل کے سوا کوئی نہیں سمجھتا۔ (حقیقت یہ ہے کہ) عشق کے اشارات بہت مشکل ہوتے ہیں اور دبیرِ عشق ان سے متعلق جو بے ساختہ عبارات تحریر کرتا ہے ان کے ادراک سے عطارد (دبیرِ فلک) کا وہم اور مشتری کی فہم

عاجز و مضطر ماند۔ رسایلِ عشق با مسایل عقل باز بخواند، خواجہ سنائی خوش گوید نوراللہ مرقدہ

عقل اندر دل اگر فرزانہ است
عشق رامگذار کو ہمخانہ است
عقل مردی است خواجگی آموز
عشق دردی است پادشاہی سوز

نکتہ۔ عقل را رسمی است کہ ہر چہ خطا بیند، خطِ رد بر آن کشد، برخلاف عشق کل حرکات و سکناتِ معشوق خواہ خطا خواہ صواب، در نظرِ عاشق مستحسن نماید۔ بر حکم این قضیہ ہر مکروی کہ از طرفِ محبوب صادر شود آنرا تحفۂ دولت و ہدیۂ کرامت تصور باید کرد۔ بیت:

شکستِ قلبِ مسکیناں گر از تست
مرا فتح است اندر ہر شکستی

حکایت۔ لیلیٰ را می آرند کہ وقتی با حسنی تمام بر گوشۂ بامی بر آمدہ بود، چوں ماہی در خرگاہی طالع شدہ بود۔ دست بتصدق کشادہ و در دادن دادصلای عام دردادہ۔ آوازہ در قبایلِ عرب منتشر گشت کہ لیلی صدقہ می دہد۔ سایلاں از ہر طرف می آمدند و دامنِ احتیاج پیش می داشتند۔ لیلی دست از آستین باز بیرون می کرد و درمی و دیناری فرومی ریخت۔ مجنون را ازین حال خبر دادند۔ گفت اگر چہ چندین گاہ بہ سبب طعنِ طاعیان و ملامتِ ملامتیان راہِ من بر درِ آن پادشاہِ ملکِ ملاحت مسدود بودہ است

بھی عاجز دلاچار رہتے ہیں۔ عشق کے رسایل عقل کے مسایل کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ خواجہ سنائی نوراللہ مرقدہ نے اس کے بارے میں خوب کہا ہے۔ :

عقل اندر دل اگر فرزانہ است
عشق راہگذار کو ہم خانہ است

(دل میں اگر عقل فرزانہ ہے تب بھی عشق کو نہ چھوڑ کہ وہ بھی اسی گھر میں رہتا ہے)

عقل مردے است خواجگی آموز
عشق دردے است بادشاہی سوز

(عقل وہ مرد ہے جو خواجگی کی تعلیم دیتا ہے، عشق وہ درد ہے جو بادشاہی کو جلا دیتا ہے۔)

نکتہ۔ عقل کا طریقہ ہے جو چیز غلط دیکھتی ہے اسے رد کر دیتی ہے اس کے برخلاف عشق معشوق کی جملہ حرکات وسکنات خواہ وہ غلط ہوں یا صحیح عاشق کی نظر میں حسین تر دکھاتا ہے۔ اس قضیے کی بنا پر ہر ناپسندیدہ بات جو محبوب کی طرف سے صادر ہوتی ہے تحفۂ نعمت اور ہدیۂ کرامت خیال کرنا چاہیے۔ بیت:

شکستِ قلبِ مسکیناں گر ازتست
مرا فتح است اندر ہر شکستے

(اگر مسکینوں کا دل تو ہی شکستہ کرتا ہے تو میرے لیے ہر شکست میں فتح ہے۔)

حکایت: لیلیٰ کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ تمام جلوہ آرائیوں کے ساتھ، جس طرح چاند خوشی کی جگہ سے طلوع ہوتا ہے، گوشۂ بام پر نمودار ہوئی۔ اہلِ حاجت کو صدقہ دینے کے لیے ہاتھ کھول دیا اور بخشش کے لیے عام دعوت کا اعلان کر دیا۔ یہ منادی عرب کے قبیلوں میں پھیل گئی۔ اہلِ حاجت ہر طرف سے آ کر جمع ہو گئے اور اپنا دامنِ مراد لیلیٰ کے آگے پھیلا دیا۔ لیلیٰ آستین سے ہاتھ نکال کر کسی کی طرف درہم، کسی کی طرف دینار پھینک دیتی۔ لوگوں نے مجنوں کو بھی خبر دی۔ اس نے کہا، اگرچہ کئی بار طعنہ دینے والوں کے طعن اور ملامت کرنے والوں کی ملامت کے سبب میرا راستہ اس ملک ملاحت کے بادشاہ کے دروازے تک پہنچنے کے لیے بند ہو گیا ہے

این ساعت کہ غوغای گدایان است، مرا کہ مانع خواہد شد۔ سعدی خوش می گوید علیہ الرحمتہ والرضوان۔ بیت:

حلقہ بردرنتوانم زدن ازبیمِ رقیبان
این تو انم کہ بیایم بہ محلت بہ گدائی

بیامدو کانسہ ٔ چوبین کہ داشت دردست گرفت و بردرِ خرگاہِ لیلیٰ آمد۔ لیلیٰ بدانست، چون آن کانسہ بدید بشناخت، دست بزدو آنرا ازدست مجنون بیرون بینداخت۔ مجنون فلک وار چرخ زدن گرفت۔ نظارگیان گفتند کہ این رقص برکدام خوشی است۔ گفت کانسہ ٔ مرابشناخت۔ ازآن مقام بابمنزلِ محنت واندوہ پای کوبان می رفت وہم چنیں می گفت، واللہ کانسہ ٔ مرابشناخت۔ زہے کمالِ محبت وغایتِ عشق کہ درنا یافت چندین می توان یافت۔ رباعی:

ما کہ دردستِ عشق مظلومیم
بہ غمِ جاودانہ مغمومیم
عامہ ٔ خلق یافت کامہ ٔ خویش
ما ازان خاصگانِ محرومیم

نکتہ۔ دردی کہ ازحرمان است چون ازدوست می رسد بہ ازصد ہزار درمان است دوست را ہم ازبرای دوست دوست باید داشت اگرتو اورا ازبرای خود خواہی کہ آن خواہشی خود باشی، سبیلِ کاربہ محبوب سپردن است

(لیکن) اس وقت گداؤں کی بھیڑ جمع ہے مجھے کون روکے گا۔ سعدی علیہ الرحمتہ والرضوان نے خوب کہا ہے، بیت:

حلقہ بردرنتوانم زدن ازبیم رقیباں
ایں تو انم کہ بیایم بہ مجلت بگدائی

(میں رقیبوں کے خوف سے تیرے کے در پر حلقہ زن نہیں ہوسکتا، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ گدائی کے ذریعے تیری بارگاہ تک باریاب ہوجاؤں۔)

بہر حال وہ آیا اور لکڑی کا وہ کاسہ جو اس کے پاس تھا، ہاتھ میں لے کر قصر لیلیٰ کے دروازے پر پہنچا۔ لیلیٰ نے اسے اور اس کے کاسے کو دیکھ کر پہچان لیا۔ اس نے مجنوں کے ہاتھ سے کاسہ لے کر باہر پھینک دیا۔ مجنون فلک وار گردش کرنے لگا۔ دیکھنے والوں نے پوچھا آخر کس خوشی میں رقص کررہے ہو۔ مجنوں نے کہا، اس نے میرا کاسہ پہچان لیا ہے۔ پھر وہاں سے اپنی منزل رنج واندوہ تک پیر کوٹتا ہوا چل دیا اور کہتا جاتا تھا، ''بخدا، اس نے میرا کاسہ پہچان لیا ہے۔''

سبحان اللہ! محبت کی یہ معراج اور عشق کی یہ انتہا کہ کچھ نہ پانے پر اتنا کچھ پالیا۔ رباعی:

ما کہ دردستِ عشق مظلومیم
بہ غمِ جاودانہ مغمومیم
عامہ خلق یافت کامہ خویش
ما ازاں خاصگانِ محرومیم

(ہم جو عشق کے ہاتھوں مظلوم ہیں، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مبتلائے غم کردیے گئے ہیں۔ عام خلق کو تو ان کی مراد حاصل ہوگئی ہے، ہم خاص بندے اس سے محروم ہیں۔)

نکتہ: وہ درد جو کسی محرومی کے سبب سے ہوتا ہے اگر محبوب کی ذات سے پہنچتا ہے تو لاکھ دوا سے بہتر ہے۔ دوست کو دوست ہی کے لیے دوست رکھنا چاہیے۔ اگر تو اسے اپنی ذات کے لیے چاہتا ہے کہ وہ تیری چاہت ہوجائے تو (اپنی) مراد کو محبوب کے سپرد کردینا چاہیے۔

وجودِ ملامت وعدمِ سلامت رانتسلیم نمودن۔ ہرچہ ازمعشوق رسد چہ گرم وچہ سرد وچہ دوا وچہ درد یک رنگ باید بود، ودرتحملِ سختی ہا باکوہ ہم سنگ۔ عاشقِ صادق کسی است کہ چون زراز ہرتابی و ہرکاوی سرخ رو بیرون آید۔ ہرچند آتشِ بلادکوبِ ابتلا بیشتر عیارِ عیارانِ این راہ بیشتر۔ شعر:

ہر کہ درعاشقی چوسیم نسوخت

کارِ او کی شود چو زر پختہ

چندین زرِ ریختہ کہ نقدِعین بود ازنسبتِ عین فرو ریختہ وہم ازعینِ این حرف خلاصہ برچیزی روی داد ونیک فکرت روی صدمعنی درآمیختہ درآئینہ زانو معائنہ می شد، اما طریقِ ایجاز رارعایت کردہ آمد۔ عیون کہ درعینِ عشق بود ترشح کرد، اکنون انچہ درشانِ شین است بہ تحریرمی رسد۔

فصل۔ دوم حرفِ عشق شین است۔ شین دندا نہادارد، کسی راکہ بہ غدر منسوب کنند گویند، فلانی دندان درشکم دارد۔ عشق نیز غداری است کہ برہیچ دلی نہ بخشاید و برہیچ جانی رحمت نہ کند۔ ودرہردلی کہ دندان فرو برداین دِلِ مسکین چہ کند کہ دندان کنان جان ندہد۔

نکتہ۔ ازان دندانہا کہ دردلِ عشق است زلیخاردرسرِشغف

اور ملامت کے ہونے اور سلامتی کے نہ ہونے کو تسلیم کر لینا چاہیے۔ معشوق سے جو کچھ عطا ہو خواہ گرم خواہ سرد، کیا دوا کیا درد (عاشق کو) ہر حال میں مخلص ہونا چاہیے اور سختیوں کو برداشت کرنے میں پہاڑ کی مثل اٹل رہنا چاہیے۔ عاشق صادق وہ ہے کہ سونے کی مانند ہر حرارت اور کاوش سے سرخ رو ہو کر نکلے۔ جس قدر مصیبت کی آگ اور آزمائش کی چوٹ زیادہ ہوتی ہے، اسی قدر اس راہ کے جانچ کرنے والوں کی جانچ سخت ہوتی ہے۔ شعر:

ہر کہ در عاشقی چو سیم نہ سوخت

کارِ او کی شود چو زر پختہ

جو شخص حالتِ عشق میں چاندی کی طرح نہیں جلا، وہ اپنے نہر میں سونے کی طرح کامل نہ ہو سکا۔

اس قدر بکھیرا ہوا سونا، جو ''زر اصل'' تھا ''عین'' کی نسبت سے بکھیرا گیا اور اس حرف کی حقیقت کے ہر پہلو کا خلاصہ بھی بیان کیا گیا نیز فکرِ نیک نے سیکڑوں معنی کے چہرے ملا کر غور و تدبر کے آئینے میں ان کا مشاہدہ کر لیا۔ (اس سارے بیان میں) اختصار کے اسلوب کے رعایت رکھ کر اُن چشموں کی پھوار جو ''عینِ عشق'' میں تھیں برسائی گئیں۔ اب وہ باتیں جو ''شین'' کی شان میں ہیں تحریر کی جاتی ہیں۔

فصل۔ عشق کا دوسرا حرف ''شین'' ہے۔ شین دانت (دندانے) رکھتا ہے جس شخص کو بے وفائی سے منسوب کرتے ہیں اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ فلاں شخص کے پیٹ میں دانت ہیں۔ عشق بھی ایسا بے وفا ہے جو کسی دل کو نہیں بخشتا اور کسی جان پر رحم نہیں کھاتا۔ جس دل میں دانت گاڑ دیتا ہے وہ بے چارہ دل کیا کرے سوائے اس کے کہ دانتوں کے زخم سے جان دیدے۔

نکتہ۔ ان دانتوں سے جو عشق کے دل میں ہیں، زلیخا محبت میں مبتلا

افتاد۔ وشغفہا حبا۔

ای زلیخا تو چندین لالہ ٔ اشک از نرگس چشم چہ بیروں می دہی۔ گفت چہ کنم مرا گلی دیگر شگفت۔ خار خارِ شین شغف جگرِ مرا پارہ پارہ کرد و دلِ خون گرفتہ ٔ مرا آوارہ نہاد۔ عجب ترآ نکہ یوسف چندین بہ خارِ عشق گلِ مرادِ مرا چون گل بدرید۔ من ہرگز سوزنِ زبان رابذکرِ آن نکشادم۔ اگر من یک بار جامہ ٔ ظاہرِ اور ابدستِ دوستی پارہ کردم، بی زبانان ہمہ مرا در زبان گرفتند و شہد شاھد من اہلھا۔

نکتہ۔ مثل مشہور است کہ عشق و مشک پنہان نہ ماند۔ مشک سرزلفِ غرۂ صباح وطرۂ رواح را معطر و معنبر گرداندہ۔ آن گاہ زلیخا خواہد کہ تا عشقِ آنرا بہ پردۂ تدبیر و سترِ کوشش بپوشد، کی میسّر شود۔ ای زلیخا! یوسف پیغمبر و پیغمبرزادہ تراچہ ظن افتادہ کہ دامانِ عصمتِ خود را بلوثِ صحبتِ تو بیالاید۔ من چہ وانم، درغلباتِ شوق بودم، روی دیدم کہ نورِ او ازشعلہ ٔ آفتاب راغلبہ می کرد۔ شعلہ ٔ عشق ازکانونِ سینہ ٔ من برآمد۔ چراغِ پارسائی راپیشِ اوتابی نماند۔ بیت:

دران خلوت بہ محرابم تو باشی
باستغفار نتوان بود مشغول

ہوگئی۔ وقد شغفھا حبا (۳۲) (اس کا عشق اس کے دل میں جگہ کر گیا ہے)

اے زلیخا تو اتنے لالہ' اشک اپنی چشمِ نرگس سے کیوں بہاتی ہے؟

(زلیخا نے) کہا، کیا کروں، مجھ میں انوکھی بات کا ظہور ہوا۔ شین کے خلجان نے میرے جگر کی شدتِ محبت کو پارہ پارہ کر دیا اور میرے خون گرفتہ دل کو آوارہ کر دیا۔ زیادہ حیرت کی بات یہہ ہے کہ یوسف نے بھی خارِ عشق سے میرے گُلِ مراد کو پھول کی طرح چاک کر دیا۔ میں نے سوسنِ زبان سے اس (درد) کا ذکر نہیں کیا۔ اگر میں نے ایک بار اس کے لباسِ ظاہری کو دستِ محبت سے چاک کر دیا تو سب بے زبانوں نے مجھے ملزم ٹھہرایا وشھد شاھد من اھلھا (۳۳) (اور (اس موقعے پر) اس عورت کے خاندان میں سے ایک گواہ نے شہادت دی)

نکتہ۔ مثل مشہور ہے کہ عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتے۔ مشک صبح کی پیشانی کے بال اور شب کی زلف کو معطر اور معنبر کرتا ہے۔ اس حقیقت کے باجود زلیخا چاہتی ہے کہ اپنے عشق کو حجابِ تدبیر اور پردۂ کوشش میں چھپالے، یہ کیسے ممکن ہے۔

اے زلیخا یوسف پیغمبر اور پیغمبر زادے ہیں، تجھے یہہ گمان کیوں کر ہوا کہ وہ اپنے دامنِ عصمت کو تیری صحبت سے آلودہ کر لیں گے؟

میں کیا جانوں، میں شوق کے غلبے میں تھی۔ میں نے وہ چہرہ دیکھا جس کا نور آفتاب کے شعلے پر غالب تھا، بس عشق کا شعلہ میرے سینے کی بھٹی سے نکلا پارسائی کے چراغ کو اس کے سامنے طاقت نہ رہی۔ بیت:

دراں خلوت بہ محرابم تو باشی
بہ استغفار نتواں بود مشغول

اگر اس خلوت میں تو میری محراب میں موجود ہو تو (میرا) استغفار میں مشغول رہنا ممکن نہیں

حکایت۔ آوردہ اندکہ چون مہتر یوسف علیہ السلام را بزندان بردند زلیخا قصری
درمقابلِ زندان برآورد ہمہ روز از آنجا نظارۂ منظرِ آراستہ مہتر یوسفؑ می کرد۔ گفتند،
ای زلیخا تو ملکۂ روزگاری، تختِ بخت برقصرِ قیصر زن۔ ایوانِ عزتِ تو از طارمِ کیوان
برتراست، تو بااین زندانی کجا افتادی۔ گفت آہ این نہ زندانی است بلکہ مقصودِ زندگانی
است۔ این زندانی کہ از عشقِ او جہان روشن، برین زندان شدہ است، تاماہِ اورا کہ
شرفِ آفتاب از رخسار چون بہار است، دربرجِ وصال نہ بینم مرا نشاط نمودن درہمہ
قصرہا وبُرج ہا وبال است۔ من بہ کمندِ زلفِ یوسف بستہ بربرجِ عشق برآمدہ ام ہنوز
برآنم کہ درراہ سراز نفس وطبع وعقل بردارم واین ہرسہ را چون سہ نقطہ برسرِ کنگرۂ شین
کہ دروسطِ عشق است برسم سیاست برآرم۔ بیت:

ہر سرکہ درو مہرِ تو آویختہ شد
آدیختہ شد عاقبت از کنگرۂ عشق

نکتہ۔ بسیار سرِّ باشینِ عشق ہم نشین است۔ شین اگرچہ ظاہر صورتِ سین دارد امّا
ازروی معنی شاہدِ وافرِ حسن کہ خودرا درِ دلِ عشق جاری کردہ است شین وسین درلوحِ ازل
ہم صحبت بودہ اند، تحریکِ قلم

حکایت۔ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو قید خانے میں لے گئے تو زلیخا نے ایک محل قید خانے کے مقابل تعمیر کرایا، وہاں سے سارے دن حضرت یوسف علیہ السلام کے منظرِ آراستہ کا نظارہ کرتی تھی۔

اے زلیخا تو ملکۂ زمانہ ہے۔ اپنی قسمت کا تخت بادشاہ کے محل پر رکھ۔ تیرا قصرِ عزت ستارۂ زحل کے بلند مکان سے بالاتر ہے، تیرا اور اس قیدی کا کیا ساتھ؟

زلیخا نے کہا، آہ یہ زندانی نہیں ہے بلکہ مقصودِ زندگانی ہے۔ یہ وہ قیدی ہے جس کے عشق سے اس قید خانے کا جہان روشن ہے۔ میں جب تک اس چاند کو، جس کے رخسار سے آفتاب کا شرف مانندِ بہار ہے، برجِ وصال میں نہ دیکھ لوں مجھ پر محلوں اور برجوں میں خوش رہنا وبال ہے۔ میں یوسف کی زلف سے بندھی ہوئی عشق کے برج میں آئی ہوں اور میں نے طے کر لیا ہے کہ اس راہ میں نفس، طبیعت اور عقل سے کنارہ کرلوں اور ان تینوں کو قید کر کے، برج شین کے ان تین نقطوں پر پہنچ جاؤں جو عشق کے عین وسط میں ہوتا ہے بیت:

ہرسرکہ درو مہرِ تو آدیختہ شد
آدیختہ شد عاقبت ازکنگرۂ عشق

تیری محبت جس سر میں اٹک گئی آخر کار وہ عشق کے برج سے لٹک گیا۔

نکتہ۔ عشق کے شین میں بہت سے اسرار مضمر ہیں۔ اگر چہ شین ظاہری اعتبار سے سین کی شکل رکھتا ہے لیکن ازروے معنی حسن کا شاہد کامل ہے جس نے عشق کے دل میں (وسط میں) جگہ حاصل کی ہے۔ شین اور سین لوحِ ازل میں ہم صحبت تھے۔ قلم کی جنبش نے

درمیانِ ایشاں تفرقہ انداخت کہ کجا ہا اثر کرد۔ شین بواسطۂ عشق در زلیخا آویخت۔ سین درمکر یوسف زد، دبہ یعقوب پیوست یا سفا علیٰ یوسف۔

نکتہ۔ زخم آن زخم است کہ تیغِ عشق گذارد و دردی آن ردی است کہ دلِ عاشق دارد۔ تنگیِ چاہ و محنتِ غربت و شدتِ راہ وذلِ زندان و جفایِ اخوان واتہامِ مہرویان بر یوسف آن نہ کرد کہ عشقِ یوسف بردلِ صد پارۂ زلیخا و برجانِ آوارۂ یعقوب کرد۔ ای یوسف! درجِ دلِ یعقوب غارت نکردۂ تو وخزینۂ سینۂ زلیخا تاراج نہ نہادۂ تو آنگا تہمتِ دزدی براین وآن می نہی۔ عجب بیکاری بوالعجب شماری، ائمۂ شرع دزدرا قطع ید حکم کردہ اند۔ شریعتِ عشق را احکامی علاحدہ است، دل دگری دزد وتہمتِ دزدی بردیگری افتد، قطع ید دیگرو قطعن اَیدیھن۔ بیت:

می لبت خورد و مست چشم توشد
گیسوانت چرا پریشانند

نکتہ۔ دوستیِ یعقوب بایوسف محض شفقت بودہ است ومحبتِ زلیخا بایوسف محض عشق۔ ہم این عشق وہم آن شفقت آمیز بودہ است، لاجرم ہردو درخطرِ عظیم افتادند۔ والمخلصون علیٰ خطرعظیم

ان کے درمیان تفرقہ ڈال دیا جس کا جگہ جگہ اثر ہوا۔شین عشق کے واسطے سے زلیخا (کی جان) سے لپٹ گیا، سین یوسفؑ کی تدبیر پر پڑا اور یعقوب (کے دل) میں پیوست ہوگیا یا اسفاعلیٰ یوسف (۴۴) (ہائے یوسفؑ افسوس)

نکتہ۔زخم وہی زخم ہے جو عشق کی تلوار سے ہوتا ہے، درد وہی درد ہے جو عاشق کے دل میں ہوتا ہے کنویں کی تنگی، بے وطنی کا رنج، راستے کی تکلیف، قید خانے کی ذلت، بھائیوں کے ظلم اور مہ رویوں کے اتہام نے یوسفؑ پر وہ اثر نہ کیا ہوگا جو یوسفؑ کے عشق نے زلیخا کے صد پارہ دل اور یعقوبؑ کی جانِ پریشان پر کیا۔

اے یوسفؑ کیا یعقوبؑ کا درجِ دل آپ نے غارت نہیں کیا اور کیا زلیخا کا خزینۂ سینہ آپ نے برباد نہیں کیا، پھر بھی آپ چوری کی تہمت اِس اُس پر رکھتے ہیں عجیب بات اور حیرت کا معاملہ ہے، شرع کے امام چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتے ہیں (لیکن) شریعتِ عشق کے احکام جدا ہیں۔ دل کسی نے چرایا، الزام کسی پر لگتا ہے اور وقطعن ایدیھن (۴۵) (اور اپنے ہاتھ کاٹ لیے) بیت:

مے لبت خورد مست چشم تو شد

گیسوانت چرا پریشا نند

شراب تیرے ہونٹوں نے پی مگر مست تیری آنکھ ہوئی لیکن تیرے گیسو کیوں پراگندہ ہوئے ہیں؟

نکتہ۔ یوسفؑ سے یعقوبؑ کی دوستی محض شفقت تھی اور یوسفؑ سے زلیخا کی محبت صرف عشق تھا۔ یہ عشق اور وہ شفقت ایک دوسرے میں مل گئے تو لازماً دونوں ہی عظیم خطرے سے دوچار ہوئے، والمخلصون علی خطر عظیم یعنی اہلِ اخلاص کے لیے عظیم خطرات ہیں۔

کارا خلاص دارد۔ پس ہر کہ خواہد تاجِ اختصاصِ عشق برتارکِ وقتِ خود نہد، اوراکمرِ
اخلاص برمیانِ جان باید بست۔ درین راہ کہ گذرگاہِ خواص است، پای بردزدہِ اخلاص
چنان ثابت بایداشت کہ اگر نفس خواہد تابدستِ ہوا، آن را از جای بردنتواند واگر عیاذاً
باللہ لغزشی افتد برفور تعلق بسلسلۂ انابت کند بمقام باز تواند آمد۔

نکتہ۔ امروز یکی دربستانِ عمل درختِ طاعت می کارد، و دیگری درخارستانِ اہل
نہالِ معصیت می نشاند، فردا چوں بحکم اذا راھم الربیع فاذ کروالثور، باغِ قیامت را بہار
پدید آید آن درختِ طاعت اگر آبِ اخلاص نیافتہ باشد ببادِ خذلان بینی کہ خشک ترگشتہ
وآن نہالِ معصیت را اگر نسیمِ ندم پروری شد بہ میوۂ مغفرت بینی بارور شدہ۔

نکتہ۔ واگراین مثال بہ کلماتِ تذکیر مشابہت دارد، اگر تذکیر خواہی شنوی از مذکرِ
تحقیق بشنو۔ مذکرِ محقق آن است کہ اوّل سرِ نفس را کہ بہ چہار پایۂ طبایع قایم است
بشکند، آن گاہ فرقۂ ہوا و طبقۂ ہوس را کہ بروی جمع شدہ اند، آن جمع را متفرق گرداند
تابی سر دبی جمع ہرچہ گوید

کارِ عشق اخلاص کا متقاضی ہے، پس جو شخص چاہتا ہے کہ عشق کی خصوصیت کا تاج اپنے ''وقت'' کے سر پر رکھے اسے اخلاص کا پٹکا کمرِ جان پر باندھنا چاہیے۔ یہہ راہ خواص کی گزرگاہ ہے (اس لیے) اخلاص کے راستے (۳۶) پر اس مضبوطی سے قدم رکھنا چاہیے کہ اگر نفس یہہ چاہے کہ بے جا خواہش کے زور سے ڈگمگا دے تو نام کام رہے اگر اللہ کی پناہ کوئی لغزش سرزد ہو جائے تو فی الفور توبہ کرے تاکہ مقام پر واپس آسکے۔

نکتہ۔ آج ایک شخص گلستانِ عمل میں طاعت کا درخت بوتا ہے اور دوسرا خارستانِ آرزو میں معصیت کا پودا لگاتا ہے تو بمصداق ''جب بہار انھیں دیکھتی ہے تو ہلاکت یاد کر'' کل جب باغِ قیامت کی بہار ظاہر ہوگی تو اس طاعت کے درخت کو اگر اخلاص کے پانی سے نہ سینچا گیا ہوگا تو تو دیکھے گا کہ وہ بدنصیبی کی ہوا سے خشک ہو چکا ہوگا اور معصیت کے اس پودے نے اگر ندامت کی نسیم سے پرورش پائی ہوگی تو تو دیکھے گا کہ وہ مغفرت کے میوے سے لدا ہوا ہوگا۔

نکتہ۔ اگر یہہ مثال نصیحت کی باتوں سے مشابہت رکھتی ہے اور اگر تم نصیحت سننے کے خواہش مند ہو تو محقق واعظ سے سنو۔ واعظِ محقق وہ ہے جو اوّل نفس کے سر کو جو طبیعت کے چار ستونوں پر قایم ہے، کچل دیتا ہے پھر بے جا خواہش کے فرقے اور ہوس کے طبقے جو اس کے گرد جمع ہیں انھیں منتشر کر دیتا ہے۔ اس کے بعد نفس اور طبیعت سے مبرّا ہو کر وہ جو کچھ کہتا ہے

ازو گوید و با او گوید۔ این است گویندۂ صدق و جویندۂ حق۔

نکتہ۔ ہر کہ را گوشِ ہوش باستماعِ سماعِ کلمۂ عشق بازاست و دیدۂ دل بنظارۂ عالمِ محبت روشن، سبیل آن است کہ خط بر اسم و رسم کشد و رخت از حضیضِ خطوطِ نفسانی برکشد و بتدریج باوجدِ وحدت برآید و بقافِ عشق ترقی نماید۔

فصل۔ سوم حرفِ عشق قاف است، قولہ، تعالیٰ وھوَ اصدق الصادقین ق والقرآن المجید۔ روزی طاؤسِ ملائکہ بحضرت رسالت پناہ رسید علیہ الصلوٰۃ و السلام، و فرمان رسانید کہ ای سیمرغِ قاف قُل ق و القرآن المجید۔ سبحان اللہ! اشارتی کہ میانِ محبّ و محبوب باشد، فلک وملک را برآن وقوف نیفتد و دوست را بادوست بسیار مکالمہ و محاورہ بہ رمزواخفا رود، کسی برآن مطلع نہ شود۔ خاقانی علیہ الرحمۃ والغفران این معنی منشرح تر گفتہ است:

صورتِ ع و ش و ق درسر نقشی

عشق نقشِ الف ولام و میم دردل

یعنی الم۔ باز آیم برسرِ حرف۔ ائمہ تفسیر رضوان اللہ علیہم اجمعین گفتہ اند کہ قاف کہ بقرآن المجید است، قسم بقافِ قدرت است یا قسم بکوہِ قاف۔ واین اسم جبلی است کہ عالم رامحیط شدہ است

اس کی طرف سے کہتا ہے اور اسی سے کہتا ہے، ایسا شخص حق گو اور حق جو ہوتا ہے۔

نکتہ۔ جس کے گوشِ ہوش عشق کی باتیں سننے کے لیے کھلے ہوئے ہیں اور دل کی آنکھ عالم محبت کے نظارے سے روشن ہے، اس کا طریق یہہ ہے کہ وہ اسم ورسم دونوں پر لکیر کھینچ دیتا ہے اور اپنا سامان نفسانی لذتوں کی پستی سے اٹھالیتا ہے پھر درجہ بدرجہ وحدت کے ذوق وشوق کے ساتھ آگے بڑھتا ہے اور قاف عشق کی بلندی پر پہنچ جاتا ہے۔

فصل۔ قاف عشق کا تیسرا حرف ہے۔ اللہ تعالیٰ جو تمام سچوں میں سب سے زیادہ سچا ہے فرماتا ہے۔ق والقرآن المجید۔

ایک روز طاؤسِ ملائکہ (جبریل علیہ السلام) رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حکم پہنچایا کہ اے قاف کے سیمرغ پڑھیے ق والقرآن المجید سبحان اللہ! وہ اشارہ جو محب ومحبوب کے درمیان ہوتا ہے فلک وملک اس سے واقف نہیں ہوتے۔ دوست کی دوست سے بہت سی گفتگو اشارے اور پوشیدگی میں ہوتی ہے کوئی شخص اس پر مطلع نہیں ہوتا۔ اس حقیقت کو خاقانی علیہ الرحمۃ والغفران نے زیادہ واضح طور پر بیان کیا ہے۔ :

صورتِ ع و ش و ق درسر نقشے

عشق نقشِ الف ولام ومیم دردل

ع، ش اور ق کی شکل خیال میں آیا ہو انقش ہے۔ الف، لام اور میم کا نقش عشق ہے جو دل میں (نہاں) ہے یعنی الم۔

میں پھر سلسلۂ کلام پر آتا ہوں۔

ائمۂ تفسیر رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا ہے کہ (آیت میں) قاف جو قرآن المجید کے ساتھ ہے اس سے مراد قافِ قدرت کے قسم ہے یا کوہِ قاف کی قسم ہے۔ یہہ ایک پہاڑ کا نام ہے جو دنیا کو گھیرے ہوے ہے۔

یعنی سوگند بکوہِ قاف کہ بقای عالم ونفعِ دنیا بہ وی است وسوگند بقرآن کہ بقای دینِ شما بہ وی است۔

نکتہ۔ دینِ عشاق رابقای کہ ہست بہ عنایتِ دوست است چناں کہ کوہِ قاف را بہ احاطۂ کل آفاق حکم می کند۔ قافِ عشق نیز چون کوہِ قاف تا قاف حیطۂ حکم خود آوردہ است۔ بیت:

عینِ زرِ معرفت بجیبِ تو نہد
گردست زنی چو قاف دردامنِ عشق

نکتہ۔ عشق ملکی است۔ وصا بادشاہست بغایت کامِ آن وکامگار۔ لشکرِ او بہ سہ فوج افتادہ۔ عین وشین وقاف۔ ترکِ اوعین است۔ عیاری کہ برقلبِ ہرکہ زند، اثری ازان قلب ونشانی ازان قالب باقی نگذارد۔ وشین امیرِ میانۂ اوست، شہ زوری کہ بہ شوکت وشہامتِ اوشیرانِ شرزہ راصد نوع روباہ بازی دہد۔ قاف ساقۂ آن لشکر است، قہر مانِ قلاع دقامعِ دلہابست۔ مبادا کہ این لشکر در بلادِ سلامت گذر کند کہ گردِ فنا از عالمِ بقا برآرد۔ بیت:

عشقت خراب کردہ دلم ہم چنیں بود
ہرگہ کہ پادشاہ بہ دریا کند دخول

حکایت۔ درانچہ مہتر سلیمان علیہ السلام لشکر بوادیِ نمل برد۔ موری کہ مقدم بود بہ اصحابِ خود گفت، ادخلوا مساکنکم یعنی بہ مسکن ہای خود درروید

یعنی قسم ہے کوہ قاف کی کہ بقائے عالم اور نفع دنیا اس سے وابستہ ہے اور قسم ہے قرآن کی جس سے تمھارے دین کی بقاوابستہ ہے۔

نکتہ۔ اہل عشق کے طریق کی بقا دوست کی عنایت پر منحصر ہے۔ جس طرح کوہِ قاف تمام عالم کا احاطہ کیے ہوے ہے، قاف عشق بھی کوہِ قاف کی مانند تمام عالم کو اپنے حکم کے دائرے میں محصور کیے ہوے ہے۔ بیت:

عین رزِ معرفت بجیبِ تو نہد
گردست زنی چوقاف دردامنِ عشق

تجھے معرفت کا حقیقی زر حاصل ہو جائے گا اگر تو قاف کی مانند عشق کے دامن میں ہاتھ ڈال دے۔

نکتہ۔ عشق ایسا بادشاہ ہے جس کی بادشاہت کی کھیتی (۳۷) مراد کی حد کے ساتھ ہے اور کامیاب ہے۔ اس کے لشکر کا پڑاؤ تین فوجوں کے ساتھ ہے، عین، شین اور قاف اس لشکر کا ترک (ہراول دستہ) عین ہے۔ ایسا عیار ہے کہ جس کے قلب پر یورش کرتا ہے اس قلب اور اس کے قالب کا کوئی نشان باقی نہیں چھوڑتا۔ شین اس کے درمیانی دستے کا سردار ہے۔ ایسا شہ زور ہے کہ اس کے رعب و دبدبے سے خوفناک شیر بھی سو طرح کی روباہ بازی کرتے ہیں۔ قاف اس لشکر کا پچھلا دستہ ہے ایسا قہری ہے کہ دلوں کو اکھاڑتا اور ذلیل کرتا ہے۔ خدا نہ کرے کہ یہہ لشکر پرامن شہروں پر گزر کرے کہ بستیوں کو ملیا میٹ کر دیتا ہے۔ بیت

عشقت خراب کردہ دلم ہم چنیں بود
ہرگہ پادشہ بدیاری کند دخول (۳۸)

تیرے عشق نے میرے دل کو اس طرح برباد کر دیا جیسے بادشاہ کسی ملک میں داخل ہوتا ہے۔

حکایت۔ جس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام لشکر کو وادی نمل میں لے گئے تو جو چیونٹی ان میں مقدم تھی اس نے اپنی ساتھیوں سے کہا ادخلو مساکنکم (۳۹) (اپنے سوراخوں میں داخل ہو جاؤ)

نباید کہ سپاہِ جاہ این شاہِ عالی بارگاہ شمارا زیرپای سپرد۔ موری کہ وی مشتاقِ دست بوسِ سلیمان بودہ، حالی حیلہ انگیخت تاحکایتِ او بسمعِ بادشاہ برسد۔ اومی دانست کہ ازسلیمان و لشکرِ او ظلم نیاید۔ سخنی بیرون انداخت تاآن سخن وسیلۂ قربِ اوگردد۔ اورا ازبرای تفتیش وتفحص بدان دست گاہ رسانند بی چارہ عاشق کہ ہمہ عمر درتدبیرآن گذراندو ہمہ سال دراندیشۂ آن، کی باشد تادست درفتراکِ دولتِ معشوق اندازدوگردِ براقِ عزتِ اورا سرمۂ چشم جہاں بین سازد۔ بیت:

سرمۂ گر دہی از گردِ رہِ خویشم دہ
ورنہ من دست ازغمِ دیدۂ پرخوں شستم

نکتہ۔ دیدۂ عاشق بدیدارِدوست روشن باشدو سینۂ محب بہ روائحِ ذکرِمحبوب گلشن۔ عاشق ہر چہ بیند ازو بیند و دروصال وفراق یک رنگ باشدودرخلا و ملا یکساں باشد۔ واگرمبادا از روی ظاہر جدائی افتد باطنِ اوہم چنان درعشق ثابت باشدودر دوستیِ دوست شاہد وظاہر۔ حکایت۔ محمودِ سبکتگین غازی را انار اللہ برہانہ، چون آثار وانوارِ محبتِ ایاز ازدائرۂ حدو عد تجاوزکرد، ملوکِ حضرت وارکانِ دولت سراز گریبانِ حسد برآوردند بہ خلوت دست درد امانِ محمود زدندو

ایسا نہ ہو کہ اس بادشاہِ عالی بارگاہ کی فوج تمھیں پیروں سے کچل دے۔ یہی چیونٹی سلیمان علیہ السلام کی دست بوسی کی مشتاق تھی اس نے اس وقت یہہ حیلہ گھڑا تا کہ اس کی بات بادشاہ کے کانوں تک پہنچ جائے۔ وہ یہہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ سلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکر سے ظلم سرزد نہیں ہوتا، ایک بات منہ سے نکال دی تا کہ وہ بات ان کے قرب کا وسیلہ بن جائے۔ اسے تفتیش اور پوچھ گچھ کے لیے (بلائیں اور) اس فضیلت تک پہنچائیں۔

بے چارہ عاشق جو تمام زندگی اس تدبیر اور تمام سال اس اندیشے میں بسر کرتا ہے کب ایسا ہو کہ اپنا ہاتھ معشوق کے اقبال کے شکار بند پر ڈالے اور اس کے براقِ عزت کی گرد کو چشمِ جہاں بیں کا سرمہ بنائے۔ بیت:

سرمہ گر دہی از گردِ رہِ خویشم دہ
ورنہ من دست ازیں دیدۂ پُرخوں شستم

ترجمہ: (اے محبوب) اگر تجھے سرمہ عطا کرنا ہے تو اپنی گردِ راہ عطا فرما، ورنہ میں اس خون سے لبریز آنکھ سے ہاتھ دھو لیتا ہوں۔

نکتہ۔ عاشق کی آنکھ دوست کے دیدار سے روشن ہوتی ہے اور محبت کرنے والے کا سینہ محبوب کے ذکر کی خوشبوؤں سے گلشن ہو جاتا ہے۔ عاشق جو کچھ دیکھتا ہے اس سے دیکھتا ہے۔ وصال و فراق میں یک رنگ اور خلوت و جلوت میں یکساں ہوتا ہے۔ خدا نہ کرے اگر ظاہری اعتبار سے جدائی واقع ہو جائے تو اس کا باطن اسی طرح عشق میں استوار اور دوست کی محبت میں شاہد اور حاضر رہتا ہے۔

حکایت۔ محمود بن سبکتگین غازی انار اللہ برہانہ کی ذات میں جب ایاز کی محبت کے آثار و انوار دائرۂ حد سے بڑھ گئے تو سلطان کے امرا اور ارکانِ دولت نے حسد کے گریبان سے سر نکالا اور خلوت میں محمود کے دامن پر ہاتھ مارا

گفتند۔ ای فلکِ ملک سیرت! اگر تو ایاز را دوست می داری رواست اما می باید کہ از آن جانب نیز برخی مودّتی باشد۔ سلطان بخندید و گفت یعنی او مرا دوست نمی دارد۔ گفتند نہ، گفت از کجا می گوئید، گفتند ما نیکو تفحص کردہ ایم و سروپای این کار تمام معلوم کردیم، او ہمہ دوستی کہ دارد بہ اموال و نقود و جواہر و امتعہ دارد۔ ہر روز کہ از درگاہِ بادشاہ بازمی گردد دور خانہ می رود، در خانہ حجرۂ دارد، اودر آن جا ہمہ جواہرِ نفیسِ بادشاہ کہ یکی ازان در ہفت کشور نباشد، دران حجرہ می رود و دراز درون محکم می بندد و بنظارۂ آن گوہر ہا مشغول می باشد، تا وقت آن شود کہ او را بہ درِ سرای باید آمد از حجرہ بیروں آید و در قفل می کند و بدرگاہ می شتابد۔ سلطان گفت این ساعت او کجا باشد۔ گفتند او این زمان ہم دران حجرہ است مستغرقِ نظارۂ آن جواہر۔ سلطان بر فور سوار شد، تجملِ شاہی و کوکبۂ بادشاہی را منع فرمودہ، ہمو نہارا برابرِ خویش کردہ در خانۂ ایاز فرود نشست و بمعا بردرِ حجرہ بیامد۔ از شگافِ درنگاہ کرد۔ ایاز را

(خلوت میں ایاز کی غیبت کی) اور کہا، اے ملکِ اخلاق کے آسمان! اگر آپ ایاز کو دوست رکھتے ہیں تو روا ہے لیکن اس جانب سے سے بھی کسی قدر دوستی درکار ہے۔ سلطان کو ہنسی آ گئی فرمایا، اس کا مطلب یہہ ہے کہ وہ (ایاز) مجھے دوست نہیں رکھتا۔ سرداروں نے عرض کیا کہ وہ آپ کو بالکل دوست نہیں رکھتا۔ سلطان نے دریافت کیا کہ تمہارے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے۔

انھوں نے عرض کیا کہ ہم نے اچھی طرح سے تفتیش کی ہے اور اس معاملے کے تمام پہلو معلوم کر لیے ہیں اس کی تمام تر دوستی مال و دولت اور نقد و جواہر سے ہے۔ ہر روز جب وہ بارگاہِ سلطانی سے واپس ہوتا ہے تو اپنے مکان پر جاتا ہے۔ مکان میں ایک حجرہ ہے۔ اس حجرے میں سلطان کے عطا کردہ نفیس جواہر کہ ان جیسا ایک موتی ساتوں ولایت میں نہیں ہے، رکھے ہوئے ہیں۔ ایاز اس حجرے میں چلا جاتا ہے اور اندر سے دروازہ مضبوطی سے بند کر لیتا ہے اور ان جواہر کے نظارے میں مشغول ہو جاتا ہے حتیٰ کہ دربار میں حاضری کا وقت قریب آ جاتا ہے تو وہ حجرے سے نکلتا ہے اور اسے مقفل کر کے حاضر دربار ہوتا ہے۔ سلطان نے دریافت کیا کہ ایاز اس وقت کہاں ہوگا۔ جواب عرض کیا کہ اس وقت بھی اسی حجرے میں جواہر کے نظارے میں محو ہے۔ سلطان فوراً گھوڑے پر سوار ہوا اور شاہانہ شان و شوکت سے سواری کو منع کر دیا۔ سب امیروں کو ساتھ لے کر ایاز کے مکان پر آیا اور فوراً حجرے کے دروازے پر پہنچا۔ دروازے کی جھری سے اندر جھانکا تو ایاز کو

دید متوجہ قصر بادشاہ باحضور تمام ایستادہ چشمِ حرمت بزمین دوختہ ودست برہم نہادہ، آن ملوکِ ملامت گررا اشارت کر۔ کہ بیائیدو بہ بینید۔ ہرہمہ آمدند، وایاز را دیدند، مصلای محبت گسترده وتحریمۂ عشق بستہ نمازی حاضرانہ می گذارد۔ سلطان آواز داد کہ ای ایاز درباز کن۔ ایاز درباز کردہ بیامدوروی درکفِ پای سلطان مالیدن گرفت ومی گفت کہ الحمدللہ نمازِ من قبول شدہ۔ بیت:

دراثنای نماز، ای جان نظر برقامت دارم
مگر چون قامتِ خوبت قبول افتد نمازِ من

سلطان گفت ای ایاز این چہ می کردی۔ گفت کارِ من ہمیں است، ہر روز کہ از درگاہِ بادشاہ باز گردم درین حجرہ درآیم ودربہ بندم ودرمقابلِ قصرِ مخدوم دست بردست نہم وپابستم تاوقتِ رفتنِ من درسرامی آید، من ہم چنیں برسرِ بندگی می باشم۔ سلطان گفت این خدمت من نمی بینم۔ گفت خدای من می داند۔ بیت:

از دعوی دوستیت ہرگز
منکر نشوم خداگواہ است

مناجات۔ ای محمودِ ازل وابد بحرمتِ سلطانِ ممالکِ فقر یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم والتحیۃ کہ محمودِ بِرّ مارا باایاز معرفتِ خویش آشنای تمام

دیکھا کہ وہ سلطان کے محل کی جانب منہ کیے حضوری کی حالت میں، چشم حرمت جھکائے، نیت باندھے ہوئے کھڑا تھا۔ سلطان نے اُن ملامت گروں کو اشارہ کیا کہ آؤ اور (تماشہ) دیکھو۔ سب آگے آئے اور ایاز کو دیکھا کہ وہ محبت کا مصلا بچھائے، نیت عشق باندھے ہوئے نماز حاضرانہ ادا کر رہا تھا۔ سلطان نے آواز دی کہ اے ایاز دروازہ کھولو۔ ایاز دروازہ کھول کر حاضر ہوا اور اپنا منہ سلطان کے تلووں سے ملنے لگا اور کہتا جاتا تھا کہ الحمدللہ میری نماز قبول ہوگئی۔ بیت

دراثنائے نماز اے جاں نظر برقامت دارم
مگر چوں قامتِ خوبت قبول افتد نمازِ من

اے محبوب میں نماز میں تیرے قامت پر نظر رکھتا ہوں کہ شاید تیرے قامتِ خوب کی مانند میری نماز بھی قبول ہو جائے۔

سلطان نے دریافت کیا کہ اے ایاز تم کیا کر رہے تھے، عرض کیا کہ میرا دستور یہی ہے کہ بارگاہِ سلطانی سے لوٹ کر روزانہ حجرے میں آتا ہوں اور دروازہ بند کر کے مخدوم کے محل کے سامنے نیت باندھے کھڑا رہتا ہوں اور بارگاہ سلطانی میں حاضری کے وقت تک اسی طرح بندگی میں مشغول رہتا ہوں۔ سلطان نے فرمایا، مجھے کیا معلوم کہ تم اس خدمت میں مشغول رہتے ہو یا نہیں۔ عرض کیا کہ میرا خدا تو سب کچھ جانتا ہے۔ بیت:

از دعوی دوستیت ہرگز
منکر نہ شوم خدا گواہ است

خدا گواہ ہے کہ میں تیری محبت کے دعوے سے کبھی منکر نہ ہوں گا۔

مناجات۔ اے ازل وابد کے محمود (خدا) ممالکِ فقر کے سُلطان کی حرمت کے طفیل یعنی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم والتحیۃ کے صدقے میں ہماری روح کے محمود کو اپنی معرفت کے ایاز سے کامل آگاہی

کرامت فرمای ومناتِ هواوسومناتِ حرص وحسد را از ولایتِ وجودِ این بی چارۀ آواره معزول ومعدوم کن واین مجموعه را که مخ المعانی نام یافته به حقِ آن معانی که با محمودِ ایاز ارزانی داشتی چون سلِ محمود نام. پر دازو چون طبلِ محمود بلند آواز گردان۔ بندۀ حسن کاتب این نکات و شارح این اشارات استِ ازدلِ پاکِ عاشقان و سینۂ صافِ عارفان دریوزه می کندکه بیانِ این حالات وشرحِ این مقالات حدمن نه بود۔ من کیستم درہیچ دعویٰ چست نی ودرہیچ معنی درست نی، یکی عام ام فضول اندیش متکلفی هستم درویش۔ مثلِ من آنرا ماند گویند فلانی درمیانِ کشتگان می غلط که من هم شهیدم۔ اگر مراخودازان عالم بوئی بودی بدین رنگ آمیز بهار نه پرداختی۔ بعزت الله وجلاله، که این معانی نه فضلِ منِ مسکین است، این همه بفضلِ بنده پروری خواجۀ راستین است ادام الله برکاته، بیت:

من مچه کس باشم دازمن چه کشاید کس را
بخداکین همه دولت زخداوندي اوست

بحق حق که هرگز شکر مواهبِ موفورۀ ایشان به ہیچ تقریری وتحریری نیاید

عطا فرما اور اس آوارہ مسکین کے ملکِ وجود سے ہوس کے منات اور حرص وحسد کے سومنات معزول ومعدوم کردے اور اس رسالے کو جس کا نام مخ المعانی رکھا گیا ہے ان معانی کے صدقے میں جو تو نے ایاز کے محمود کو عطا فرمائے تھے، محمود کے لشکر کی مانند شہرت عطا کر اور محمود کے نقارے کی مانند بلند آواز کر دے۔

بندۂ حسن (جو) ان نکات کا لکھنے والا اور ان اشارات کی تشریح کرنے والا ہے (عرض کرتا ہے کہ یہہ تحریر) عاشقوں کے پاک دل اور عارفوں کے صاف سینے کی بھیک ہے ورنہ ان احوال کی وضاحت اور ان مقالات کی شرح میری استعداد کی حد سے باہر تھی۔ میری کیا حیثیت ہے، کسی دعوے میں چست اور کسی معنی کے بیان میں درست نہیں۔ ایک عامی شخص ہوں، فضول اندیش اور بے تکلف درویش مجھ پر وہ مثل صادق آتی ہے، فلاں شخص شہیدوں میں پڑا ہوا کہے میں بھی شہید ہوں۔ اگر مجھ میں عالم عشق کی ذراسی بھی بو ہوتی تو یہہ رنگ آمیز بہار آراستہ نہ کرتا۔ اللہ کی عزت وجلال کی قسم کہ یہہ معانی مجھ مسکین کی دین نہیں ہیں، یہہ سب کچھ خواجۂ راستیں (حضرت سلطان المشائخ) ادام اللہ برکاتہ کی بندہ پروری کی بخشش ہے۔ بیت:

من چہ کس باشم وازمن چہ کشاید کس را
بخدا کیں ہمہ دولت زخداوندیِ اوست

میں کس لائق ہوں اور مجھ سے کسی کو کیا مل سکتا ہے، خدا کی قسم یہہ تمام دولت ان کی بندہ پروری کے باعث ہے۔

بحق حق کہ ان کی تمام بخششوں کا شکر کسی تقریر اور تحریر میں ادا نہیں کیا جاسکتا

حکایت۔ بزرگی می گوید کہ من از شکر چہار نعمت بیروں نتوانم آمد۔ اگر مردم ازراہِ دین درین سخن بہ تامل بنگرند، بدانند کہ حرفی تمام و فصلی پُر اصل است۔ آن چہار نعمت کدام است؟ اوّل این کہ باری تعالیٰ چون لباسِ خلعتِ فاخرہ دروجود پوشانید باری آدمی آفرید، زیرا کہ مخلوقات بسیار است۔ الحمدللہ کہ گوہرِ آفرینش درسلک آدمیت درآورد۔ و نعمت دوم انکہ چون آدمی آفرید باری مرد آفرید زیرا کہ آدمیان بردو نوع اند بعضی مضافاتِ مردانہ و بعضی از ولایتِ نساء نعمت سوم آن کہ چون مرد آفرید باری مسلمان آفرید، زیرا کہ از روی ظاہر مردان بسیار اند، اما خلعتِ رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکراللہ درہمہ نہ پوشانیدہ اند۔ نعمتِ چہارم آن کہ چون آدمی آفرید و مسلمان آفرید الحمدللہ از امتِ محمد گردانید صلی اللہ علیہ وسلم۔

بندہ برین حرف حرفی زیادہ گردایند است کہ الحمدللہ ہم بشریفِ بشریت بود وہم شرفِ رجولیت وہم دولتِ اسلام وہم کرامتِ امتِ محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام وہم سعادتِ ارادت مخدومِ جہانیان ادام اللہ میامن انفاسہ الشریفہ، اکنون چون این داستانِ عشق بذکر محامد این آستان رسید، صواب ہمان است کہ ہم برحرف حمد باتمام رسد۔ وہمان حمدِ اوّل کہ مطلع رسالہ بدان نمی یافتہ است۔

حکایت۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں چار نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہوں، اگر لوگ دین کی راہ سے اس بات پر غور کریں تو جان لیں کہ (یہہ بات) حرفِ آخر اور پُر اصل فصل ہے وہ چار نعمتیں کونسی ہیں؟ اول نعمت یہہ ہے کہ باری تعالیٰ نے جب (میری) ہستی کو خلعتِ فاخرہ کا لباس پہنایا تو انسان (کی صورت میں) پیدا کیا، کیوں کہ مخلوقات تو بہت ہیں الحمدللہ کہ (میری) پیدائش کے موتی کو آدمیت کی لڑی میں پرویا۔ دوسری نعمت یہہ کہ جب (مجھے) آدمی پیدا کیا تو مرد پیدا کیا، کیوں کہ آدمیوں کی دو قسم ہیں، بعض مردانہ نسبت کے حامل ہیں اور بعض نسوانی نسبت سے متعلق ہیں۔ تیسری نعمت یہہ کہ جب مرد پیدا کیا تو مسلمان پیدا کیا، کیوں کہ ظاہری اعتبار سے مرد بہت سے ہیں لیکن رجال لا تلہیھم تجارہ ولا بیع عن ذکراللہ (۴۰) کی خلعت سب کو نہیں پہنائی جاتی۔ چوتھی نعمت یہہ ہے کہ جب آدمی پیدا کیا اور مسلمان پیدا کیا تو الحمدللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا کیا۔ بندہ اس عبارت میں ایک جملے کا اضافہ کرتا ہے کہ الحمدللہ (اس بندے کو) بشریت اور رجولیت کا شرف بھی حاصل تھا اور اسلام کی دولت اور محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں پیدا ہونے کی کرامت بھی حاصل تھی اس کے ساتھ مخدومِ جہانیاں سے ارادت کی سعادت بھی حاصل ہوئی ادام اللہ میا من انفاسہ الشریفہ (۴۱) (اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان کے انفاس شریفہ کو سیدھی جانب لانے والا رکھے)

اب جب کہ عشق کی یہہ داستان، اس آستانے کے محامد کے ذکر تک آ پہنچی تو مناسب یہی ہے کہ حمد کے جملے پر ختم کی جائے (چناں چہ) وہی اوّل حمد جس سے اس رسالے کے مطلع نے تازگی پائی ہے۔

درختمِ تحریر افتد، درجای واثق است کہ درنفسِ آخر نیز ہم نفس این کس ہمان باشد، انشاء اللہ تعالیٰ وحدہ۔

الحمد اللہ الملک الحق المبین علی انہ ربی و ربّ السمٰوٰت و ربّ الارضین ونبیی محمد رسول اللہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ اجمعین۔ وشیخی شیخ الاسلام نظام الحق والدین متع اللہ المسلمین بطول بقاسہٗ آمین، والحمد للہ رب العالمین۔

بفضلہٖ تعالیٰ این کتابِ مستطاب المسمی بہ مخ المعانی ترصیفِ شریف حضرت زبدۃ العارفین جناب امیر حسن علاء سجزی دہلوی قدس اللہ سرہ خلیفہ راستین حضرت سلطان المشایخ نظام الاولیاء رضی اللہ عنہٗ بقلم عبدالغنی المسکین دہلوی غفر باتمام رسید فی التاریخ بست دوم شہر شعبان المعظم ۱۲۹۷ھ ہجری یوم شنبہ

اس کے خاتمے پر تحریر کی جاتی ہے۔امید واثق ہے کہ اس بندے کے آخری سانس میں بھی یہی حمد اس کی ہم نفس ہوگی، ان شاء اللہ تعالیٰ وحدہ

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں جو صریحاً پادشاہِ حقیقی ہے۔ لاریب وہی میرا اور آسمانوں زمینوں کا رب ہے۔ میرے نبی، اللہ کے رسول اور نبیوں کے سردار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ اجمعین ہیں۔ میرے پیر شیخ الاسلام نظام الحق والدین ہیں، اللہ ان کے درازی عمر سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے، والحمد للہ رب العالمین۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہہ کتابِ مستطاب جس کا نام ''مخ المعانی'' ہے اور جسے حضرت زبدۃ العارفین جناب امیر حسن علا سجزی دہلوی قدس اللہ سرہ خلیفہ ٔ راستین حضرت سلطان المشائخ نظام الاولیا رضی اللہ عنہ نے تحریر کیا ہے۔

عبدالغنی المسکین احمد دہلوی غفرلہ کے قلم سے بتاریخ بائیس ماہ شعبان المعظم ۱۲۹۷ھ بروز ہفتہ اختتام کو پہنچی۔

حواشی

(۱)۔اے آدم رہا کرو تم اور تمہاری بیوی بہشت میں (سورۂ بقرہ آیت ۳۵)

(۲) ۔حسن علاسجزیؒ نے اس نکتے میں سورۂ ص کی آیت ۲۳ تا ۲۵ کے مطالب کو اپنے مخصوص جمالیاتی اور علامتی اسلوب میں تحریر کیا ہے۔اس ابہام کو دور کرنے کے لیے ذیل میں مولانا محمد جونا گڈھی کا ترجمہ اور مولانا صلاح الدین یوسف کے تفسیری اشارات بجنسہ نقل کیے جاتے ہیں :

(سنیے) یہ میرا بھائی ہے، اس کے پاس ننانوے دُنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی دُنبی ہے لیکن یہ مجھ سے کہہ رہا ہے کہ اپنی یہ ایک بھی مجھ ہی کو دے دے(۱)اور مجھ پر بات میں بڑی سختی برتتا ہے(۲)''(۲۳)

''آپ نے فرمایا، اس کا اپنی دنبیوں کے ساتھ تیری ایک دنبی ملا لینے کا سوال بے شک تیرے اوپر ایک ظلم ہے اور اکثر حصّے دار اور شریک (ایسے ہی ہوتے ہیں کہ) ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں(۳)سوائے ان کے جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں(۴)اور (حضرت) داؤد (علیہ السلام) سمجھ گئے کہ ہم نے انھیں آزمایا ہے، پھر تو اپنے رب سے استغفار کرنے لگے اور عاجزی کرتے ہوئے گر پڑے(۵) اور (پوری طرح) رجوع کیا''(۲۴)

''پس ہم نے بھی ان کا وہ (قصور) معاف کردیا(۶) یقیناً وہ ہمارے نزدیک بڑے مرتبے والے اور بہت اچھے ٹھکانے والے ہیں''(۲۵)

ا۔یعنی یہ ایک دُنبی بھی میری دنبیوں میں شامل کردے تاکہ میں ہی اس کا بھی ضامن اور کفیل

ہو جاؤں۔

۲۔ دوسرا ترجمہ ہے "اور یہ گفتگو میں مجھ پر غالب آ گیا ہے" یعنی جس طرح اس کے پاس مال زیادہ ہے، زبان کا بھی مجھ سے زیادہ تیز ہے اور اس تیزی وطراری کی وجہ سے لوگوں کو قائل کر لیتا ہے۔

۳۔ یعنی انسانوں میں یہ کوتاہی عام ہے کہ ایک شریک دوسرے پر زیادتی کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ دوسرے کا حصہ بھی خود ہی ہڑپ کر جائے۔

۴۔ البتہ اس اخلاقی کوتاہی سے اہل ایمان محفوظ ہیں، کیونکہ ان کے دلوں میں اللہ کا خوف ہوتا ہے اور عمل صالح کے وہ پابند ہوتے ہیں اس لیے کسی پر زیادتی کرنا اور دوسروں کا مال ہڑپ کر جانے کی سعی کرنا، ان کے مزاج میں شامل نہیں ہوتا۔ وہ تو دینے والے ہوتے ہیں، لینے والے نہیں۔ تاہم ایسے بلند کردار لوگ تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔

۵۔ (وخرراکعا) کا مطلب یہاں سجدے میں گر پڑنا ہے۔

۶۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ کام کیا تھا جس پر انہیں کوتاہی اور توبہ وندامت کے اظہار کا احساس ہوا، اور اللہ نے اسے معاف فرمادیا، قرآن کریم میں اس اجمال کی تفصیل نہیں ہے اور کسی مستند حدیث میں بھی اس کی بابت کوئی وضاحت نہیں ہے۔ اس لیے بعض مفسرین نے تو اسرائیلی روایات کو بنیاد بنا کر ایسی باتیں بھی لکھ دی ہیں، جو ایک نبی کی شان سے فروتر ہیں۔ بعض مفسرین مثلاً ابن کثیر نے یہ موقف اختیار کیا کہ جب قرآن وحدیث اس معاملے میں خاموش ہیں تو ہمیں بھی اس کی تفصیلات کی کرید کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مفسرین کا ایک تیسرا گروہ ہے جو اس واقعے کی بعض جزئیات اور تفصیلات بیان کرتا ہے تاکہ قرآن کے اجمال کی کچھ توضیح ہو جائے تاہم یہ کسی ایک بیان پر متفق نہیں ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک فوجی کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور یہ اس زمانے کے عرف میں معیوب بات نہیں تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اس عورت کی خوبیوں اور کمالات کا علم ہوا تھا، جس کی بنا پر ان کے اندر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اس عورت کو تو ملکہ ہونا چاہیے نہ کہ ایک عام سی عورت تاکہ اس کی خوبیوں اور کمالات سے پورا ملک فیض یاب ہو۔ یہ خواہش کتنے بھی اچھے جذبے کی بنیاد پر ہو، لیکن ایک تو متعدد بیویوں کی موجودگی میں یہ نامناسب سی بات لگتی ہے۔ دوسرے بادشاہ وقت کی طرف سے

اس کے اظہار میں جبر کا پہلو بھی شامل ہو جاتا ہے۔ اس لیے حضرت داؤد علیہ السلام کو ایک تمثیلی واقعے سے اس کے نامناسب ہونے کا احساس دلایا گیا اور انھیں فی الواقع اس پر تنبہ ہو گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ آنے والے یہ دو شخص فرشتے تھے جو ایک فرضی مقدمہ لے کر حاضر ہوئے، حضرت داؤد علیہ السلام سے کوتاہی یہ ہوئی کہ مدعی کا بیان سن کر ہی اپنی رائے کا اظہار کر دیا اور مدعا علیہ کی بات سننے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے رفع درجات کے لیے اس آزمائش میں انھیں ڈالا، اس غلطی کا احساس ہوتے ہی وہ سمجھ گئے کہ یہ آزمائش تھی جو اللہ کی طرف سے ان پر آئی اور بارگاہ الٰہی میں جھک گئے۔ بعض کہتے ہیں کہ آنے والے فرشتے نہیں تھے، انسان ہی تھے اور یہ فرضی واقعہ نہیں حقیقی جھگڑا تھا، جس کے فیصلے کے لیے وہ آئے تھے اور اس طرح ان کے صبر و تحمل کا امتحان لیا گیا، کیونکہ اس واقعے میں ناگواری اور اشتعال طبع کے کئی پہلو تھے، ایک تو بلا اجازت دیوار پھاند کر آنا۔ دوسرے، عبادت کے مخصوص اوقات میں آ کر مخل ہونا۔ تیسرے، ان کا طرز تکلم بھی آپ کی حاکمانہ شان سے فروتر تھا (کہ زیادتی نہ کرنا وغیرہ) لیکن اللہ نے آپ کو توفیق دی کہ مشتعل نہیں ہوئے اور کمال صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ لیکن دل میں جو طبعی ناگواری کا ہلکا سا احساس بھی پیدا ہوا، اس کو بھی اپنی کوتاہی پر محمول کیا، یعنی یہ اللہ کی طرف سے آزمائش تھی، اس لیے یہ طبعی انقباض بھی نہیں ہونا چاہیے تھا، جس پر انھوں نے توبہ واستغفار کا اہتمام کیا۔ واللہ اعلم بالصواب (قرآن حکیم مع ترجمہ و تفسیر شائع کردہ حکومت سعودیہ۔ مکہ مکرمہ۔ صص ۱۲۷۷۔۱۲۷۸)

(۳)۔ (روتے روتے) ان کی آنکھیں سفید پڑ گئیں غم سے (سورۂ یوسف آیت ۸۴)

(۴)۔ میں نے اپنے رب کو اپنے دل میں دیکھا (الحدیث)

(۵)۔ وقت۔ اصطلاحِ تصوف میں اس حالت کو کہتے ہیں جو انسان پر کسی وقت غالب ہو۔ اگر انسان دنیا میں مبتلا ہے تو اس کا وقت دنیا ہے۔ عقبیٰ کی فکر دامن گیر ہے تو اس کا وقت عقبیٰ ہے۔ سرور میں سرشار ہے تو وقت سرور ہے۔ رنج میں غرق ہے تو وقت حزن ہے۔
مختصر یہ کہ انسان پر جس وقت جو حال طاری ہو وہی اس کا وقت ہے۔ بہ تغیر الفاظ از ''سرِ دلبراں'' مرتبہ شاہ محمد ذوقی'' کراچی طبع ثانی ۱۳۸۸ھ ص ۳۳۵

(۶)۔ احوال۔ حال کی جمع، حق تعالیٰ کی جانب سے جو واردات سالک کے دل پر مثل قبض و بسط

یا حزن وطرب یا ہیبت وانس اچانک وارد ہوں حال ہے سر دلبراں (بہ تغیر الفاظ) ص ۱۳۴

(۷)۔تفرقہ۔حق سے محجوب ہونے کو فرق (تفرقہ) کہتے ہیں یعنی خلق ہی کو دیکھے اور حق کو نہ دیکھے سّرِ دلبراں (بہ تغیر الفاظ) ص ۱۲۷۔

(۸)۔''مقصود آں شخص'' سے مترجم کا قیاس'' محتسب'' کی طرف گیا ہے۔ممکن ہے کہ قیاس میں غلطی ہوئی ہو۔

(۹)۔وہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ گمراہ (سورۂ اعراف آیت ۱۷۹)

(۱۰)۔سورۂ نور۔آیت ۳۵

(۱۱)۔فارسی متن میں ''مست سیر کرار'' کی ترکیب استعمال کی گئی ہے احقر مترجم نے اس کا قیاسی ترجمہ'' راہِ عشق کے مست کیا ہے۔

(۱۲)۔کنایہ ہے سورۂ نساء کی آیت ۵۷ ندخلھم ظلا ظلیلا سے، ہم انھیں گھنی چھاؤں میں داخل کریں گے۔

(۱۳)۔(ایسا) چشمہ جس سے پیئں گے مقرب بندے، سورہ المطففین آیت ۲۸

(۱۴)۔ایک عمدہ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے پاس، سورۂ القمر آیت ۵۵

۱۵تا۱۹۔سورۂ طٰہٰ آیات ۱۷اور ۱۸

(۲۰)۔سورہ طٰہٰ آیت ۲۷

(۲۱)۔اور موسیٰ سے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر کلام فرمایا (سورۂ نساء آیت ۱۶۴)

(۲۲)۔پس فوراً اس سے پھوٹ نکلے بارہ چشمے، معلوم کرلیا ہر ہر شخص نے اپنے پانی پینے کا موقع (سورۂ بقرہ آیت ۶۰)

(۲۳)۔سورۂ الکہف، آیت ۸۶

(۲۴)۔سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۸۴

(۲۵)۔اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں تو (آپ میری طرف سے فرمادیجیے) میں قریب ہوں (سورۂ بقرہ آیت، ۱۸۶)

(۲۶)۔فارسی متن میں اس رباعی کا مصرع اول اس طرح ہے:

''اے عقل شرِفہم شدہ آگہ بے تو''

باقی تین مصرعوں کے سیاق وسباق کے اعتبار سے مصرع اوّل اس طرح ہونا چاہیے۔

اے عشقِ شر یفم شدہ آ کہ بے تو
ترجمے کے متن میں اس قیاسی تصحیح کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔ آ کہ بمعنی عیب و آفت از غیاث اللغات۔

(۲۷)۔ سورہ الانبیاء، آیت ۶۹۔

(۲۸)۔ سورۂ اعراف، آیت ۱۴۳

(۲۹)۔ سورۂ مریم، آیت ۵۱

(۳۰) سورہ المجادلہ آیت ۲۲

(۳۱)۔ فارسی متن میں سہو کتاب کی وجہ سے ''لومان'' نقل ہوا ہے، جس کا کوئی مفہوم نہیں نکلتا۔ اگر یہاں ''لوریاں'' قیاس کیا جائے تو اس کے معنی رہزن یا بازی گر ہوں گے۔ بازی گری قیاسی ترجمہ ہے۔

(۳۲)۔ سورۂ یوسف، آیت ۳۰۔

(۳۳)۔ سورۂ یوسف، آیت ۲۶۔

(۳۴)۔ سورۂ یوسف، آیت ۸۴۔

(۳۵)۔ سورۂ یوسف، آیت ۳۱، فارسی متن میں فقطعن نقل کیا گیا ہے لیکن صحیح وقطعن ہے۔

(۳۶)۔ فارسی متن میں ''پاے بہردزردہ اخلاص چناں ثابت باید داشت'' نقل کیا گیا ہے۔ بہردزدہ اخلاص سے کوئی مفہوم پیدا نہیں ہوتا۔ اگر پاے بہردزرہ اخلاص قیاس کیا جائے تو یہ بھی صحیح نہیں ہے اس لیے مترجم نے ''در'' کو غیر ضروری قیاس کر کے پاے بہرہ اخلاص کا ترجمہ کیا ہے۔

(۳۷)۔ فارسی متن میں ''عشق ملکی است وصابادشاہت بغایت کام آں'' نقل ہوا ہے احقر مترجم کے قیاس میں ''وصابادشاہت'' کے بجائے ''وصار بادشاہت'' قیاس کیا جائے تو عبارت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ اس قیاس کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے واللہ اعلم۔

(۳۸) تصحیح شعر از دیوانِ حسن سجزیؒ ص ۲۲۰ مطبوعہ حیدر آباد دکن

(۳۹)۔ سورۂ نمل، آیت ۱۸

(۴۰)۔ ایسے لوگ جن کو اللہ کی یاد سے نہ خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے نہ فروخت (سورۂ النور، آیت ۳۷)

(۴۱)۔فارسی متن میں یہ دعا مخدومِ جہانیاں کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔ اردو ترجمے کے مبہم ہو جانے کے خیال سے احقر مترجم نے اس دعا کو جملے کے آخر میں نقل کیا ہے۔

نوٹ: صفحہ۲ پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حوالے سے اسّی ہزار دینار کا تذکرہ ہے۔فوائد الفواد میں یہ رقم چالیس ہزار دینار ہے اور حوالے میں یہ شعر ہے۔

شکرانہ چہل ہزار دینار دہند
با میخ وگلیم عشق را بار دہند

فوائد الفواد ص ۱۶۔مجلس ۳۳۔۲۱ ذی الحجہ/۲۱۔۷۰۸ھ (جلد اوّل) احقر کی رائے میں ہشتاد ہزار دینار کی رقم غالباً سہو کتابت ہے۔